ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
39
www.tanzeem.org
25 شوال تا 2 ذوالقعدہ 1431ھ/5 تا 11 اکتوبر 2010ء

اس شمارے میں

اے ٹیپو سلطان کے بیٹو!

سماجی اور سیاسی سطح پر انصاف کے تقاضے

قرآن مجید سے تعلق کیونکر برقرار رکھا جائے (II)

غلبۂ دین کی جدوجہد اور علماء کرام

انقلاب دستک دے رہا ہے

میڈیا: برائی کی جڑ یا ایک کارآمد ہتھیار؟

صلہ رحمی کی اہمیت

ڈاکٹر اسرار احمد، ایک شخص بے قرار

خصوصی رپورٹ

خلافت: آزادی اور پابندی کا حسین امتزاج

حدیث مبارکہ کے الفاظ ہیں کہ ''مومن کی مثال اس گھوڑے کی سی ہے جو ایک کھونٹے سے بندھا ہوا ہو'' (مسند احمدؒ عن ابی سعید الخدریؓ) اس مثال کو ذرا وسعت دے کر فرض کریں کہ ایک وسیع و عریض میدان ہے جس میں گھوڑے کے بھاگنے دوڑنے کی کافی گنجائش ہے لیکن آپ نہیں چاہتے کہ وہ بالکل آزاد ہو کر فرار ہی ہو جائے، لہٰذا آپ اسے ایک سو گز لمبی رسی کے ذریعے کھونٹے سے باندھ دیتے ہیں۔ اس طرح سو گز نصف قطر کا ایک دائرہ ایسا وجود میں آ جائے گا جس میں گھوڑا آزاد ہوگا۔ البتہ اس سو ایک واں گز ہر سمت میں ممنوع یا ناممکن ہوگا۔ ایک اسلامی ریاست یا نظامِ خلافت میں آزادی اور پابندی کا جو حسین امتزاج ہوتا ہے وہ اس مثال سے اس طرح واضح ہو جاتا ہے کہ دائرے کا محیط کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کی نمائندگی کرتا ہے جس سے تجاوز کی اجازت نہ افراد کو ہے نہ بحیثیت مجموعی معاشرے یا ریاست کو، البتہ اس دائرے کے اندر اندر افراد بھی آزاد ہیں اور ریاست اور معاشرہ بھی۔ چنانچہ اس حصے میں عہد حاضر کے اعلیٰ ترین معیارات کے مطابق جمہوری اقدار کی ترویج و تنفیذ اور ''ان کا معاملہ باہمی مشاورت سے طے ہوتا ہے'' کے قرآنی اصول (سورۃ الشوریٰ آیت نمبر 38) کے تقاضوں کو عہد حاضر کے بہترین ترقی یافتہ اداروں کے ذریعے پورا کیا جا سکتا ہے۔

پاکستان میں نظام خلافت
کیا کیوں اور کیسے؟
ڈاکٹر اسرار احمدؒ

الھدیٰ (436)

سورۃ التوبہ

(غزوۂ تبوک کا بیان)

ڈاکٹر اسرار احمد

سورۃ التوبہ کے چھٹے رکوع سے غزوۂ تبوک کا ذکر ہے۔اس کا پس منظر پہلے بیان ہو چکا ہے۔6ہجری میں صلح حدیبیہ ہوئی۔اس سال کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایلچی خطوط دے کر بیرونِ عرب بھیجے۔باقی جگہوں پر جو کچھ ہوا سو ہوا لیکن رئیس بصرہ شرجیل بن عمرو کے پاس جب رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک لے کر حارث بن عمیرؓ پہنچے تو آپؐ کے اس سفیر کو شہید کر دیا گیا (بصرہ اُس وقت رومن ایمپائر کے تابع اور باج گزار تھا)۔سفیر کا قتل اعلان جنگ ہوتا ہے۔لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر تیار کیا۔تین ہزار مجاہدین کو زید بن حارثہ ؓ کی سرکردگی میں موتہ کی طرف روانہ کیا۔رومیوں کا ایک لاکھ کا لشکر اِن مجاہدین کے سامنے آیا۔اب سوال پیدا ہوا کہ کیا اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ کیا جانا چاہیے یا نہیں۔مگر مجاہدین نے کہا ہم تو شہادت کے خواہاں ہیں۔ ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن   نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

چنانچہ جنگ شروع ہوئی۔امیر لشکر زید بن حارثہ شہید ہو گئے۔رسول اللہ ﷺ نے اس کی خبر پہلے ہی دے دی تھی کہ اگر زید شہید ہو جائیں تو جعفر ابن ابی طالبؓ امیر لشکر ہوں گے۔وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ امیر ہوں گے۔پس حضرت زید کی شہادت کے بعد حضرت جعفر ؓ نے چارج سنبھالا۔جب وہ بھی شہید ہو گئے تو عبداللہ بن رواحہؓ امیر لشکر بنے۔وہ بھی شہید ہو گئے تو فوج کی کمان خالد بن ولید ؓ نے سنبھالی اور وہ حکمت عملی سے لشکر کو بچا کر لے آئے۔اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اعلان عام کیا کہ اب میں خود جاؤں گا اور یہ کہ ہر صاحب ایمان کے لیے میرے ساتھ نکلنا ضروری ہے۔ہم تبوک تک جائیں گے۔تبوک سے رومن ایمپائر کی حد شروع ہو جاتی تھی۔یہ حجاز کا آخری شہر ہے۔یہ مقام مدینے سے غالباً 350 میل شمال میں ہے۔درمیان میں لق و دق صحرا ہے۔گرمی کا موسم تھا۔سفر طویل تھا۔کھجور کی فصل بھی تیار تھی۔اگر پھل بروقت اتارا نہیں جاتا تو ضائع ہو جاتا۔مشکل یہ تھی کہ اگر سب مرد نکل کھڑے ہوئے تو پھل کون اتارے گا۔عورتیں تو پھل نہیں اتار سکتی تھیں۔اس موقع پر گویا سارے امتحان جمع ہو گئے۔اس طرح اہل ایمان کی یہ سخت آزمائش ہوگئی۔جس کے نتیجے میں منافقین کی کمزوریاں اور خباثتیں کھل کر سامنے آ گئیں۔یوں سمجھیے، یہ گیارہ رکوع منافقین کے موضوع پر قرآن مجید کے اہم ترین مقام اور ذروۂ سنام ہے۔اس سے پہلے سورۃ النساء کا بڑا حصہ تقریباً نصف سورت منافقین ہی کے متعلق تھی۔

غزوۂ تبوک کا ذکر ہو رہا ہے۔حضور ﷺ تیس ہزار کا لشکر لے کر گئے تھے۔ہرقل اگرچہ وہاں موجود تھا، لیکن اُس نے مقابلے پر آنے کی جرأت نہیں کی۔وہ پہچان چکا تھا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں۔براہِ راست ان کے مقابلے میں آنے کا نتیجہ شکست کے سوا کچھ نہ ہوگا۔حضور ﷺ وہاں مقیم رہے۔وہاں آس پاس کے لوگ آئے۔انہوں نے آپؐ سے معاہدے کیے۔آپؐ نے سرحدوں کو محفوظ کیا اور واپس آ گئے۔گویا جنگ کی نوبت ہی نہیں آئی، مگر رسول اللہ ﷺ کی اور مسلمانوں کی دشمنوں پر دھاک بیٹھ گئی۔سلطنت روما نے پسپائی اختیار کی۔رومن ایمپائر مقابلے میں آنے کی ہمت نہ کر سکی۔جنگ موتہ کی وجہ سے جو ہوا اکھڑی تھی، اللہ نے اس ہوا کو دوبارہ قائم کر دیا۔

فرمان نبوی

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

انفاق فی سبیل اللہ

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :((يَا ابْنَ آدَمَ! اَنْ تَبْذُلَ الْفَضْلَ خَيْرٌ لَّكَ، وَاَنْ تُمْسِكَهٗ شَرٌّ لَّكَ، وَلَا تُلَامُ عَلٰى كَفَافٍ، وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ)) (رواہ مسلم)

حضرت ابوامامہ ؓ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آدم کے بیٹے! اگر تو (ضرورت سے) زائد خرچ کر دے تو یہ تیرے لیے (دنیا اور آخرت میں) بہتر ہے اور اگر تو اس کو روک لے تو (یہ) تیرے لیے برا ہے اور بقدر ضرورت مال پر تجھے ملامت نہیں کی جا سکتی اور مال خرچ کرتے وقت اپنے اہل وعیال سے آغاز کر۔''

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ

ایوب بیگ مرزا

اے ٹیپو سلطان کے بیٹو......

''شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے''۔ ٹیپو سلطان کا لگایا ہوا یہ نعرۂ مستانہ دو صدیوں سے زائد عرصے پاک و ہند کی فضاؤں میں گونج رہا ہے۔ 2001ء میں نائن الیون کے موقع پر یہ نعرہ اگر صدر مشرف اور اُس کے کاسہ لیسوں کے کانوں تک پہنچ جاتا تو ایٹمی قوت کی حامل پاکستانی قوم (اس نام کی کوئی قوم اگر اب بھی وجود رکھتی ہے) آج یوں سسک سسک کر دم نہ توڑ رہی ہوتی۔ فرد ہو یا قوم بزدلی اور بے غیرتی دو ایسے اوصاف ہیں جن کا نتیجہ ذلت و رسوائی، شکست و ریخت اور ہزیمت کے سوا کچھ نکل ہی نہیں سکتا۔ عزت و احترام اور وقار اس قوم سے یوں غائب ہوئے ہیں جیسے طلوعِ آفتاب سے تاریکیاں پسپا ہو جاتی ہیں۔ بزدلی اور بے غیرتی انسان کو بانجھ کر دیتی ہیں۔ انسان ایسی بنجر زمین کی مانند ہو جاتا جو طویل مدت سے بارانِ رحمت سے محروم ہو۔ آج ہم دیوار کے ساتھ لگائے جا چکے ہیں۔ ہمیں اُس امریکہ اور مغرب نے دیوار سے لگایا ہے جسے ہمارے ڈھول کی تھاپ پر تالیاں بجاتے ہوئے مسخرے حکمران اپنا اتحادی کہتے ہیں۔ حکمران کا کردار ماں کے کردار جیسا ہونا چاہیے، ڈائن یا سانپ جیسا نہیں جو اپنے بچوں کو کھا جاتے ہیں۔ یہ اظہار جذبات نہیں اظہارِ حقیقت ہے۔ کیا پاکستانی قوم پر ہونے والے ڈرون حملے جس میں بچے، بوڑھے اور عورتیں شہید ہو رہی ہیں ہمارے حکمرانوں کی رضامندی اور اجازت سے نہیں ہو رہے؟ تو پھر آج نیٹو کے ہیلی کاپٹروں سے گولہ باری پر احتجاج کس بات کا کیا جا رہا ہے۔ کس کو دھوکہ دے رہے ہیں زرداری اور گیلانی؟ کیوں اتنا احمق سمجھتے ہیں عوام کو؟ خصوصاً ہم یوسف رضا گیلانی سے مخاطب ہو کر کہیں گے کہ ہم آپ کے شجرہ نسب کو چیلنج نہیں کرتے۔ آپ عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد ہوں گے لیکن ہم آپ کو انتباہ کیے دیتے ہیں کہ اللہ رب العزت انسان کو اُس کے اعمال کے حوالہ سے پرکھتا ہے۔ فرمانِ خداوندی ہے: ﴿لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی﴾ کیا آپ جانتے نہیں کہ وہ ابولہب جس کے دونوں ہاتھ ٹوٹنے کی خبر مالک کائنات اپنے کلام میں دیتا ہے اور ہادیٔ برحق، محسن انسانیت، محمد مصطفیٰ ﷺ جن پر خود اللہ اور اُس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں چچا بھتیجا تھے اور اِن کا شجرہ نسب ایک ہی تھا۔ ایک مقامِ محمود پر فائز ''بعد از خدا بزرگ توئی'' کا جائز حقدار اور ایک جہنم کی بدترین وادی کا مکین۔ اللہ ہمیں اور آپ کو معاف فرمائے، کوئی غلط فہمی ہمیں ہلاک نہ کر دے۔

امریکیوں اور اہلِ مغرب کی دیدہ دلیری کا اندازہ کریں کہ ہماری سرزمین پر بمباری اُس وقت کر رہے ہیں جب ہمارے حکمران صف باندھ کر سی آئی اے کے سربراہ لیون پینٹا کے سامنے پیش ہو رہے ہیں۔ عوام جو مجبور و محکوم اور شائد مقہور و معتوب بھی ہیں، اُن کے خون پسینہ کی کمائی سے اُن ہی کے دشمن کی پذیرائی ہو رہی ہے اور اُسے پروٹوکول دیا جا رہا ہے۔ ظہرانوں اور عشائیوں کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ تُف ہے ایسے حکمرانوں پر اور ہدایت کی آرزو اور دعا ہے اُن عوام کے لیے جو ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کے مصداق بنے ہوئے ہیں۔

ہم صاف صاف بات کرنے کے قائل ہیں۔ ہم بہت سا شکوہ اور شکایات رکھنے کے باوجود اپنی عسکری قیادت سے ابھی مکمل طور پر مایوس نہیں ہوئے۔ ایک دنیا ہماری فوج کی جرأت، جنگی مہارت اور پیشہ وارانہ صلاحیت کی قائل ہے۔ ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ یہ صفات اگر ہیں تو انہیں بروئے کار لائیں۔ وقت ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔ ڈاکٹر مریض کے لیے اُس وقت تک جدوجہد کر سکتا ہے جب تک اُس کا سانس برقرار ہو۔ قوم کے پاؤں مریض کے سانس کی طرح اکھڑ رہے ہیں۔ ہمارا مطالبہ نہ نائن الیون کے موقع پر یہ تھا کہ امریکہ کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا جائے نہ آج ہے۔ ہمارا تو صرف اور صرف یہ مطالبہ ہے کہ ہم چونکہ امریکہ کے برادر اسلامی ملک افغانستان پر حملہ کو جائز نہیں سمجھتے لہٰذا ہمیں اس حوالہ سے اُس کی کسی قسم اور کسی نوعیت کی کوئی مدد نہیں کرنی چاہیے۔ ہم افغانستان کے خلاف اپنی فضا، اپنی زمین اور اپنا سمندر استعمال نہیں ہونے دیں گے۔ ہم اس جنگ میں تمہارے مخبر نہیں بن سکتے جسے آج کی جدید اصطلاح میں intelligence sharing کہتے ہیں۔

قیام خلافت کا نقیب

ندائے خلافت

جلد 19 | 25 شوال تا 2 ذوالقعدہ 1431ھ | 5 تا 11 اکتوبر 2010ء | شمارہ 39

بانی: اقتدار احمد مرحوم

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید

نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت

ایوب بیگ مرزا

محمد یونس جنجوعہ

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چودھری

مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:

67-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور-54000

فون: 36316638-36366638 فیکس: 36271241

E-Mail:markaz@tanzeem.org

مقام اشاعت: 36-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور-54700

فون: 35869501-03 فیکس: 35834000

publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون

اندرونِ ملک...... 450 روپے

بیرونِ پاکستان

انڈیا---------------(2000 روپے)

یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)

ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر

''مکتبہ خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں

چیک قبول نہیں کیے جاتے

''ادارہ'' کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

ہم امریکہ کی اس دھمکی پر کیوں خوفزدہ ہو جاتے ہیں کہ وہ افغانستان میں بھارت کی مدد حاصل کر لے گا، اُس کے ہوائی اڈے استعمال کرے گا۔ وہ ایسا کرتا ہے تو کرے، ہم بھارت کو بھی کسی قیمت پر افغانستان کے لیے راستہ نہیں دیں گے۔ عسکری قیادت اس نکتہ پر غور کیوں نہیں کرتی کہ اگر پاکستان تباہ و برباد ہوتا ہے تو عالمی امن بھی جہنم میں جائے ہماری بلا سے۔ عالمی امن کے قیام کے ہم واحد ٹھیکیدار نہیں ہیں۔ ضیاء الحق کے دور میں اسرائیل بھارت کے راستے پاکستان کے ایٹمی اثاثہ جات پر حملہ کرنے کی پلاننگ کر رہا تھا تو ضیاء الحق نے واشگاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ ہم نہیں جانتے کہ ہم پر حملہ کس سمت سے ہوگا اور کون کرے گا ہمارا جوابی ایٹمی حملہ بھارت کے خلاف ہوگا۔ اِس پر بھارت کو سانپ سونگھ گیا تھا اور اُس نے اسرائیل کو ایسی کارروائی سے روک دیا تھا۔ آج بھی ایسا ہی موقف اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ امریکہ ہو یا برطانیہ ہمارے خلاف کوئی جنگی کارروائی بھارت کی مدد کے بغیر نہیں ہو سکتی اور ہمارے پاس یہ صلاحیت ہے کہ ہم دلی بلکہ ممبئی اور کلکتہ کو بھی صفحۂ ہستی سے مٹا سکتے ہیں۔ ہم جنگ و جدل اور خون خرابہ نہیں چاہتے لیکن اگر ہماری زمینی اور فضائی حدود کی خلاف ورزی جاری رہتی ہے یا ہمارے عوام کا خون بہانا بند نہ کیا گیا تو ہم جوابی کارروائی کا پورا حق رکھتے ہیں۔ پھر یہ کہ اگرچہ ہم امریکہ پر حملہ آور نہیں ہو سکتے لیکن اُس کی ڈیڑھ لاکھ فوج افغانستان میں موجود ہے۔ اگر ہمیں خاک و خون میں غلطاں کیا گیا تو تمہارے یہ فوجی بھی نہیں بچ سکیں گے۔ کیا عسکری قیادت کو یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ زندگی کا انحصار موت کو للکارنے پر ہے، موت سے ڈرنے پر نہیں۔ ہم زندگی کی بھیک مانگتے رہے اور موت سے خوف کھاتے رہے تو زندگی خود شرمندگی بن جائے گی۔ ایسی زندگی کو ذلت اور رسوائی گھسیٹتی ہوئی بالآخر موت کی وادی میں اتار دے گی۔

ہم اپنی عسکری قیادت سے درخواست کرتے ہیں کہ اگر سیاسی قیادت راہِ راست پر نہیں آتی، اگر امریکی غلامی کا قلادہ اپنی گردن سے اتارنے پر رضامند نہیں ہوتی، اگر اپنی عیش و عشرت اور حرام خوری کے لیے کشکول پالیسی کو جاری رکھتی ہے تو گویا وہ آئین شکنی کی مرتکب ہوتی ہے۔ ہم مارشل لاء کے کسی صورت میں حق میں نہیں لیکن قومی تحفظ کے لیے ایک قومی حکومت ایک ناگزیر ضرورت بن چکی ہے جو امریکہ سے اپنے راستے جدا کر کے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی صلاحیت پیدا کرے۔ وگرنہ جو پانی گردن تک پہنچ چکا ہے۔ وہ کسی وقت سر سے گزر جائے گا۔ ہماری عسکری قیاذت کا آئیڈیل مشرف نہیں، ٹیپو سلطان ہونا چاہیے۔ ہمارے نزدیک فاٹا اور شمالی و جنوبی وزیرستان کے مسلمان کا خون بھی اتنا ہی قیمتی ہے جتنا لاہور اور اسلام آباد کے مسلمانوں کا ہے۔ اگر مشرف کی منحوس پالیسی جاری رہی تو جان لیں کہ اہل لاہور، کراچی اور اسلام آباد کی باری بھی آ کر رہے گی۔ موت بالآخر آ کے رہے گی۔ فیصلہ ہمیں کرنا ہے، ذلت و رسوائی کے ساتھ آئے یا عزت اور وقار کے ساتھ۔ ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ امریکیوں کی تاریخ یہ ہے کہ جو اُن کے پاؤں پڑتا ہے اُس کو وہ بے دردی سے ٹھوکریں مارتے ہیں۔ اور جو اُن کے گریبان کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے اُس کی طرف وہ پیٹھ کر لیتے ہیں بلکہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ جاتے ہیں۔

ہم اپنی فوجیوں اور ٹیپو سلطان کے فرزندوں سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ کبھی بھی پسپائی اختیار کر کے پرویزیت اور مشرفیت میں پناہ حاصل نہیں کریں گے بلکہ اپنے اسلاف کی پیروی کرتے ہوئے محمد بن قاسم کی طرح پیش رفت کریں گے۔ وہ خود کو علی حیدر کرارؓ کے غلام ثابت کریں گے اور اپنی جانیں محمد عربی ﷺ کے دین پر نچھاور کر دیں گے۔ یہی دنیوی عزت اور وقار کا راستہ ہے۔ یہی اُخروی نجات اور فلاح کا راستہ ہے۔ ہر دوسرے راستے کے آگے کھوہ اور پیچھے کھائی ہے جو ہمیں ذلت آمیز انجام سے دوچار کر دے گی۔

بیانیہ مجلس اسرار

سماجی اور سیاسی سطح پر انصاف کے تقاضے

خالص سماجی اور معاشرتی سطح پر انصاف کا اہم ترین تقاضا یہ ہے کہ تمام انسانوں کو پیدائشی طور پر مساوی تسلیم کیا جائے اور ان کے مابین اونچ نیچ کا کوئی فرق اور اعلیٰ و ادنیٰ کا کوئی امتیاز اُن چیزوں کی بنیاد پر نہ ہو جو انہیں پیدائشی طور پر ملتی ہیں، لہٰذا ان کے ضمن میں کسی انتخاب و اختیار یا کسب و سعی کا سوال نہیں ہوتا، جیسے نسل، رنگ اور جنس۔ گویا انسانوں کے مابین کوئی فرق و تفاوت اور درجہ بندی صرف ان امور کی بنیاد پر ہو سکتی ہے جن میں اُن کے کسب و اختیار و سعی و جہد کو دخل حاصل ہے، جیسے نظریات و عقائد، یا سیرت و کردار، یا علم و ہنر وغیرہ۔ پھر یہ درجہ بندی بھی خالص انتظامی حیثیت کی حامل ہوگی، شرفِ انسانیت کو پوری نوعِ انسانی کی مشترکہ اور مساویانہ متاع کی حیثیت حاصل رہے گی، اور اس اعتبار سے تمام انسان ہر صورت میں بالکل مساوی اور برابر متصور ہوں گے!

اسی طرح سیاسی سطح پر سماجی انصاف کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ ہر انسان کو بنیادی طور پر آزاد تسلیم کیا جائے۔ جیسے کہ امیر المؤمنین اور خلیفۂ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایران کے فاتح اور گورنر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو مکان کے آگے ڈیوڑھی بنانے اور دربان کھڑا کرنے پر سرزنش کے طور پر تحریر فرمایا تھا: ''اے سعدؓ! لوگوں کو ان کی ماؤں نے آزاد جنا تھا، تم نے انہیں اپنا غلام کب سے بنالیا؟'' —— پھر اسی اصول کا ایک منطقی تقاضا یہ بھی ہے کہ یہ تسلیم کیا جائے کہ افراد کی آزادی پر صرف وہ قدغنیں اور پابندیاں عائد کی جاسکتی ہیں جو یا تو ان کے خالق و مالک نے عائد کی ہوں، یا ان کے طے کرنے میں ان کی اپنی رائے اور مشورے کو بھی دخل حاصل ہو۔ اور اس طرح ''حق خود اختیاری'' کا تقاضا پورا ہو جائے! الغرض، سیاسی سطح پر سماجی انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ع ''تمیز بندہ و آقا فسادِ آدمیت ہے!'' کے مطابق انسانوں کے مابین حاکم و محکوم اور قرآن حکیم کی اصطلاح میں ''مستکبرین'' اور ''مستضعفین'' کی تقسیم و تفریق باقی نہ رہے، بلکہ سیاسی اعتبار سے کامل مساوات قائم ہو جائے اور حدیث نبوی ﷺ کے الفاظ کے مطابق ''سب انسان اللہ کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن جائیں۔''

قرآن مجید سے تعلق کیسے برقرار رکھا جائے؟ (II)

17 ستمبر 2010ء مسجد جامع القرآن قرآن اکیڈمی لاہور میں

امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید صاحب کا خطاب جمعہ

اعتصام بالقرآن کے لیے دوسری چیز قرآن مجید کو سمجھنا ہے۔ قرآن کتاب ہدایت ہے، صرف کتاب مقدس نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر جس طرح ہندو اپنی مذہبی کتابوں کے اشلوک پڑھ کر تبرک حاصل کر لیتے ہیں ہمارے لیے بھی محض اس کا پڑھ لینا ہی کافی تھا، اس کو سمجھنا ضروری نہ ہوتا، مگر چونکہ یہ کتاب ہدایت اور گائیڈنس ہے، یہ شاہراہ زندگی پر چلنے کا ایک لائحہ عمل ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ اس کو سمجھا جائے۔ جب تک ہم اسے سمجھیں گے نہیں، اس کی ہدایت و رہنمائی سے محروم رہیں گے۔ اگر ہم قرآن کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جس مقصد کے لیے یہ نازل ہوا ہے، اُس کو حاصل کرنے میں ہم کوتاہی کر رہے ہیں۔ بہرکیف تمسک بالقرآن کا تقاضا یہ بھی ہے کہ قرآن کو سمجھا جائے۔ سورۂ ص میں فرمایا:

﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (29)﴾

"(یہ) کتاب جو ہم نے تم پر نازل کی ہے بابرکت ہے، تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ اہل عقل نصیحت پکڑیں۔"

اللہ نے اپنے نبی برحق پر یہ کتاب نازل کی ہے۔ نازل کیوں کی ہے؟ کیا اس لیے کہ لوگ اُسے ریشمی جزدان میں لپیٹ کر طاق کی زینت بنا دیں اور کبھی کھول کر بھی نہ دیکھیں کہ اللہ نے اس میں کیا ہدایت دی ہے۔ ظاہر ہے ایسا نہیں ہے۔ یہ کتاب اس لیے اُتری ہے کہ لوگ اس کی آیات میں غور و فکر کریں، اِن میں تدبر کریں، اِس کے مفہوم میں غوطہ زنی کریں اور ہوش مند لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں، اس کا فہم حاصل کریں، اِسے سمجھیں، تاکہ معلوم ہو سکے کہ اُن کے لیے قرآن میں کیا رہنمائی ہے، انہوں نے کیا کرنا ہے اور کن چیزوں سے رُکنا ہے۔ اِس آیت میں سے معلوم ہوا کہ فہم قرآن کے دو درجے ہیں۔ ایک ہے تدبر قرآن یعنی قرآن میں غور و فکر کرنا اور دوسرا تذکر بالقرآن۔ تدبر قرآن کی قرآن جابجا دعوت دیتا ہے۔ قرآن حکیم نے عدم تدبر کا گلہ اِن الفاظ میں کیا ہے:

﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ﴾ (النساء:82)

"کیا یہ لوگ قرآن پر تدبر نہیں کرتے۔"

اور سورۂ محمد میں فرمایا:

﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (24)﴾

"بھلا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا (ان کے) دلوں پر قفل لگ رہے ہیں۔"

اس کے پس منظر میں منافقین کی حیلہ طرازیاں، اور اسلام پر عمل سے فرار ہے۔ منافقین قرآن پر عمل کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے تھے۔ جب جہاد کے لیے پکار لگائی جاتی، جب کہا جاتا کہ اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرو، تو صادق الایمان لوگ تو اللہ کی راہ میں نکل کھڑے ہوتے، اپنا مال نچھاور کرتے، مگر منافقین کی جان پر بن جاتی تھی۔ اور یہ صورت اسی وقت ہوتی ہے جب اندر ایمان کی کمی ہوتی ہے۔ جو شخص ایمان کا طالب ہو اُسے جان لینا چاہیے کہ قرآن کا منبع ایمان ہے۔ لہٰذا اُسے چاہیے کہ اس سے لو لگائے۔

فہم قرآن کا دوسرا درجہ تذکر ہے۔ تذکر کیا ہے؟ قرآن کا اصل پیغام کو سمجھ کر اپنی زندگی کو اُس صراط مستقیم پر ڈال دینا جو جنت کو جاتی ہے۔ اِس عظیم کتاب سے وہ ہدایت اخذ کرنا جو ہماری اُخروی نجات کے لیے ضروری ہے۔ ایمان، توحید اور دین کے عملی تقاضوں کا شعور حاصل کرنا۔

تدبر کے اعتبار سے قرآن مجید انتہائی مشکل کتاب ہے۔ قرآن دنیا بھر کے علوم کا سرچشمہ ہے۔ مگر اُس میں ہر علم کے صرف اشارات آئے ہیں۔ اس میں علم حیاتیات بھی ہے، علم کیمیا بھی ہے، علم طبیعیات بھی ہے، علم فلکیات بھی ہے، مگر ان علوم کی تفصیلات نہیں، صرف اشارے کیے گئے ہیں، تاکہ اہل علم، فلاسفہ قرآن پر غور و فکر کریں اور علم و حکمت کے موتی نکالیں۔ قرآن میں قیامت تک تدبر ہوتا رہے گا اور نتیجتاً نئے نئے علوم اور حقائق تک رسائی ہوتی رہے گی، لیکن بنیادی طور پر قرآن کتاب ہدایت ہے اور ہدایت کے اعتبار سے یہ نہایت آسان کتاب ہے۔ اس کا پیغام ہدایت اس کی اوپری سطح پر موجود ہے جس سے ہر سچا طالب ہدایت استفادہ کر سکتا ہے، تاکہ قرآن کی بتائی گئی مستقیم شاہراہ پر چل کر آخرت کے عذاب الیم سے بچ سکے۔ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کو آسان بتایا ہے۔ فرمایا:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (17)﴾ (سورۃ القمر)

"اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے؟"

تدبر قرآن کا درجہ تو وہ ہے کہ اس میں قرآن کے سمندر میں غوطہ زنی ہوتی ہے۔ اس کے ایک ایک لفظ میں، اس کے معانی میں، ربط آیات میں غور و فکر کیا جاتا ہے اور حکمت و دانائی کے موتی نکالے جاتے ہیں۔ یہ ایک مشکل کام ہے، لہٰذا ہر ایک پر لازم نہیں، البتہ کچھ لوگوں کو بہرحال یہ کام کرنا ہوگا۔ اس لیے کہ اسی سے علم کے دروازے کھلتے ہیں اور فقہ کے بھی بہت مسائل اسی سے وابستہ ہیں۔ تدبر ہی کے اعتبار سے علماء کہتے ہیں کہ جو شخص مسند درس پر بیٹھے اُس کے لیے چودہ علوم کی تحصیل ضروری ہے۔ تدبر قرآن کے لیے قرآن کی زبان عربی کا گہرا علم درکار ہے۔ عربی کا فہم بھی سطحی نہ ہو، بلکہ

اُس دور کی عربی سے شناسائی ہو جس میں قرآن نازل ہو رہا تھا یعنی جاہلی ادب سے واقفیت ہو۔ پھر یہ کہ حدیث کے ذخیرے پر نظر ہو، اس لیے کہ قرآن مجید کی سب سے مستند تفسیر حدیث ہے۔ اصول حدیث سے واقفیت ہو۔ آیات کے شان نزول کا علم ہو۔ فقہ اور اصول فقہ کی مبادیات سے آگاہی ہو۔ تب تدبر کا حق کسی درجے میں ادا ہو سکے گا۔

والد محترمؒ اپنے معرکہ آرا کتابچہ ''مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق'' میں لکھتے ہیں کہ ''قرآن کو بطریقِ تدبر پڑھنے کی شرائط بڑی کڑی ہیں اور ان کا پورا کرنا اس کے بغیر ہرگز ممکن نہیں کہ ایک انسان اپنے آپ کو بس اسی کے لیے وقف کر دے اور اپنی پوری زندگی کا مصرف صرف تعلیم و تعلم قرآن ہی کو بنا لے۔ اس کے لیے اوّلاً عربی زبان کے قواعد کا گہرا اور پختہ علم ضروری ہے۔ پھر اس کے ادب کا ایک ستھرا ذوق اور فصاحت و بلاغت کا عمیق فہم لازمی ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ جس زبان میں قرآن نازل ہوا ہے اس کا صحیح فہم اس کے بغیر ممکن نہیں کہ ادبِ جاہلی کا تحقیقی مطالعہ کیا جائے اور دورِ جاہلی کے شعراء و خطباء کے کلام سے ممارست بہم پہنچائی جائے۔ پھر اسی پر بس نہیں، قرآن نے خود اپنی مخصوص اصطلاحات وضع کی ہیں اور اپنے خاص اسالیب ایجاد کیے ہیں جن سے انسان ایک طویل مدت تک قرآن کو پڑھتے رہنے اور اس پر غور کرتے رہنے کے بعد ہی مانوس ہوتا ہے--- اس کے علاوہ نظمِ قرآن کا فہم بجائے خود تدبرِ قرآن کی راہ کی ایک کٹھن منزل ہے اور مصحف کی موجودہ ترتیب کی حکمت کا علم جو ترتیبِ نزولی سے قطعاً مختلف ہے، اور اوّلاً مختلف سورتوں اور پھر ہر سورت کی آیتوں کے باہمی ربط و تعلق کو سمجھنا ایسا مشکل مرحلہ ہے جس پر بڑے بڑے اصحابِ عزم و ہمت تھک ہار کر بیٹھ جاتے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس مرحلے کو سر کیے بغیر ''تدبر قرآن'' کے حق کی ادائیگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا --- بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اسی معدن سے قرآن حکیم کے علم و حکمت کے اصل موتی حاصل ہوتے ہیں اور اسی سے اس بحرِ ناپیدا کنار کی وسعتوں کا اصل اندازہ ہوتا ہے! ساتھ ہی قرآن کو سمجھنے کے لیے احادیث کے تمام ذخیرے پر انسان کی گہری نظر بھی لازمی ہے اور قدیم صحفِ آسمانی کا گہرا مطالعہ بھی ضروری ہے۔ ان ساری منزلوں سے گزر کر تو انسان اس قابل ہوتا ہے کہ قرآن کو بطریقِ تدبر پڑھ سکے۔ اس کے بعد ایک دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے اور وہ یہ کہ انسانی تاریخ کے ہر دور میں تجرباتی و عقلی دونوں قسم کے علوم ایک خاص سطح پر ہوتے ہیں اور قرآن پر تدبر کا حق اس کے بغیر ادا نہیں ہو سکتا کہ حکمتِ قرآنی کا طالب اپنی معلومات کے دائرے کو کم از کم اتنا وسیع ضرور کرے کہ ان تمام علوم طبعی و نظری کا ایک اجمالی خاکہ ان کے مقدمات و مبادی، طریقِ استدلال اور نہجِ استنتاج اور نتائج و عواقب کی اجمالی معرفت سمیت اس کے ذہن کی گرفت میں آ جائے۔''

مفسرین قرآن کا فہم قرآن تدبر کے درجے کا

پریس ریلیز

حافظ عاکف سعید

ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو امریکی عدالت سے سزا مغرب کی طرف سے امت مسلمہ کے منہ پر طمانچہ ہے

ہمارے حکمران اس ظلم میں برابر کے شریک ہیں

ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو امریکی عدالت سے سزا درحقیقت مغرب کی طرف سے پوری اُمتِ مسلمہ کے منہ پر طمانچہ ہے۔ جہاں تک پاکستان کے حکمرانوں کا تعلق ہے وہ اس ظلم میں برابر کے شریک ہیں۔ یہ بات امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے مسجد جامع القرآن قرآن اکیڈمی میں خطاب جمعہ کے دوران کہی۔ انہوں نے کہا کہ غیرت وحمیت اور عزت وعفت اور شرافت [illegible] سابق صدر مشرف نے پاکستان کی ایک بیٹی کو سرِ بازار اُٹھوا کر اسلام اور مسلمانوں کے دشمن امریکہ کے حوالے کر دیا تھا۔ موجودہ حکمرانوں نے اُس کی رہائی کے مختلف مواقع جان بوجھ کر کھو کر درحقیقت غلامی کا پورا پورا حق ادا کیا۔ اور اس طرح امریکہ کے اس موقف کی تائید کر دی کہ عافیہ معصوم اور بے گناہ نہیں بلکہ ایک دہشت گرد خاتون تھی۔ اگر حکومت کے اس موقف کو تسلیم کر لیا جائے کہ انہوں نے عافیہ کی رہائی کی پوری کوشش کی تھی تو اب فوری طور پر ہماری حکومت کو امریکہ سے ہر نوع کا تعاون ترک کر دینا چاہیے اور خود کو دہشت گردی کی جنگ سے بھی الگ کر لینا چاہیے۔ حق و باطل کے معرکے میں اللہ اور اس کے دین سے بے وفائی کر کے امریکہ کے فرنٹ لائن اتحادی کا کردار ادا کرنا ہی ہماری سب سے بڑی غلطی اور ہمارے تمام مسائل کی جڑ ہے۔ انہوں نے کہا کہ جو قوم کی بیٹی کو اپنے اقتدار کی بھینٹ چڑھا سکتے ہیں اُن سے کچھ بعید نہیں کہ وہ ملک کی آزادی اور سلامتی کا سودا بھی طے کر لیں۔ قوم کو اب اِن سوداگروں سے نجات حاصل کر کے ایسی قیادت سامنے لانی چاہیے جو خود بھی حقیقی مسلمان ہو اور پاکستان کو بھی ایک اسلامی فلاحی ریاست میں تبدیل کر سکیں۔ ہمارا مستقبل اسلام کے ساتھ وابستہ ہے۔ وگرنہ پاکستان کے وجود کا کوئی جواز نہیں رہتا۔ آج ہمیں جس ذلت و رسوائی کا سامنا ہے وہ دین سے دوری کی وجہ سے ہے۔ (پریس ریلیز: 24/ستمبر 2010ء)

امریکہ کے فضائی حملوں کا تدارک نہ کیا گیا تو وہ زمینی فوج داخل کرنے سے بھی گریز نہیں کرے گا

ڈرون حملوں میں اضافہ کے ساتھ امریکی ہیلی کاپٹروں کے پاکستان پر حملے ملکی سلامتی پر کاری وار ہیں، مگر بات بات پر حکومتی رِٹ کی چیخ و پکار کرنے والے وزراء اور حکومتی اہلکار امریکہ کے پاکستانی علاقوں پر حملوں پر مجرمانہ خاموشی اختیار کیے ہوئے ہیں۔ یہ بات امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے ایک بیان میں کہی۔ اُنہوں نے کہا کہ امریکہ کے اِن فضائی حملوں کا اگر مناسب تدارک نہ کیا گیا تو وہ زمینی فوج داخل کرنے سے بھی گریز نہیں کرے گا۔ اُنہوں نے کہا کہ ملک میں بڑھتی ہوئی سیاسی بے چینی، اداروں کے تصادم اور معاشی طور پر دیوالیہ ہونے کی خبروں سے لازماً اِن نئے حملوں کا تعلق ہے۔ امریکہ ہماری بدحالی سے فائدہ اُٹھا کر عسکری مداخلت کے مذموم ارادے رکھتا ہے، تاکہ کسی طرح پاکستان کے ایٹمی اثاثہ جات تک رسائی حاصل کر سکے۔ اُنہوں نے کہا کہ عافیہ صدیقی کی سزا اور یہ حملے پاکستان کو جواز فراہم کرتے ہیں کہ پاکستان امریکہ سے ہر قسم کے تعلقات منقطع کرے وگرنہ امریکی پیش رفت کو روکا نہیں جا سکے گا۔ (پریس ریلیز: 27/ستمبر 2010ء)

(جاری کردہ مرکزی شعبہ نشر واشاعت تنظیم اسلامی)

ہوتا ہے، مگر وہ بھی بہت سی آیات کی وضاحت کے بعد یہی لکھتے ہیں کہ ''واللہ اعلم'' یعنی جہاں تک ہم سمجھ پائے وہ بتا دیا ہے، معاملے کی اصل حقیقت کا علم اللہ کے پاس

> یہ کتاب اس لیے کہ اُتری ہے کہ لوگ اس کی آیات میں غور وفکر کریں، اِن میں تدبر کریں،
>
> اِس کے مفہوم میں غوطہ زنی کریں اور ہوش مند لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں

ہے۔ تدبر کے نتیجے میں علم وحکمت کے نئے نئے موتی برآمد ہوتے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ یہ قرآن ایسی کتاب ہے جس کے عجائبات کبھی کم نہ ہوں گے۔ حضرت علیؓ سے مروی ایک طویل حدیث میں قرآن کے بارے میں آنحضور ﷺ کے یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں:

((وَلَا يَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَاءُ وَلَا يَخْلُقُ عَنْ كَثْرَةِ الرَّدِّ وَلَا تَنْقَضِي عَجَائِبُهُ))

''علماء کبھی اس کتاب سے سیر نہ ہوسکیں گے۔ نہ کثرت وتکرار تلاوت سے اس کے لطف میں کمی آئے گی اور نہ ہی اس کے عجائبات (یعنی نئے نئے علوم و معارف) کا خزانہ کبھی ختم ہوسکے گا۔''

والد محترمؒ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن بحرِ ناپیدا کنار ہے۔ یہ اتھاہ سمندر ہے۔ اُس کی وسعت اور گہرائی تک نہیں پہنچا جاسکتا۔

تدبر کے درجے کا فہم تو ہر ایک پر لازم نہیں، البتہ تذکر کے پہلو سے جس کے اعتبار سے قرآن کو آسان بنایا گیا ہے، کتاب اللہ کا فہم حاصل کرنا ضروری ہے۔ اس درجے میں ہر شخص کو قرآن کو سمجھنا چاہیے۔ اس لیے کہ یہ عرب کے بدو کے لیے بھی ہدایت ہے اور بڑے سے بڑے فلسفی کی علمی پیاس بھی اسی سے بجھ سکتی ہے۔ علامہ اقبال بہت بڑے فلسفی تھے۔ انہوں نے جرمنی سے جو اُس دور میں فلسفے کا گڑھ سمجھا جاتا ہے، فلسفے کی تعلیم حاصل کی، مگر اُن کی پیاس بھی بجھی تو اِسی قرآن سے بجھی۔ کہا جاتا ہے کہ آخری دور میں اُن کے سرہانے صرف قرآن ہوا کرتا تھا۔

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
میرے جرم خانہ خراب کو تیرے عفو بندہ نواز میں

اعتصام بالقرآن کے ضمن میں مَیں نے فہم قرآن کا تفصیلی ذکر اس لیے کیا ہے کہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور جو تعلیمات قرآنی کے فروغ کے لیے کوشاں ہے، اُس کے زیر اہتمام رجوع الی القرآن کورس کا آغاز ہوا چاہتا ہے۔ تذکر بالقرآن کے پہلو سے لوگوں کی دینی رہنمائی کے لیے ہر سال اس کورس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اس کورس کا مرکز ومحور جیسا کہ کورس کے نام سے ظاہر ہے قرآن حکیم ہے۔ اس کورس کا مقصد یہ ہے کہ وہ لوگ جو دنیاوی تعلیم میں گریجویشن یا پوسٹ گریجویشن سے بھی آگے جاچکے ہیں، جنہوں نے پیشہ وارانہ تعلیم کے حصول میں کئی سال لگا دیے، مگر قرآن کی تعلیم سے بے گانہ رہے، اس کے لیے وقت نہیں نکال سکے، انہیں نو ماہ کے رجوع الی القرآن کورس سے گزار کر قرآنی تعلیمات سے روشناس کرایا جائے، قرآن کے پیغام سے آگاہ کیا جائے۔ آپ سے بھی گزارش ہے کہ اس کورس کے لیے وقت نکالیں، تاکہ دینی تقاضوں کا شعور حاصل ہوسکے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ آپ وقت تب ہی نکال سکیں گے جب اس کے لیے شعوری کوشش کریں گے، ورنہ دنیا کے مسائل، اِس کی محبت، دین کی جانب آپ کو ایک قدم بھی نہ اُٹھانے دے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن کو مضبوطی سے تھامنے کی توفیق دے اور اس کا فہم عطا فرمائے۔ آمین

[مرتب: محجوب الحق عاجز]

داعیٔ رجوع الی القرآن، بانیٔ تنظیم اسلامی
محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ
کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل
بیانُ القرآن
ترجمہ و مختصر تفسیر
حصہ اول: سورۃ الفاتحہ وسورۃ البقرۃ مع تعارف قرآن
صفحات: 360، قیمت 450 روپے
حصہ دوم: سورۃ آل عمران، سورۃ النساء اور سورۃ المائدہ
صفحات 321، قیمت، 400 روپے
انجمن خدام القرآن خیبر پختونخوا پشاور
A-18 ناصر مینشن، ریلوے روڈ نمبر 2، شعبہ بازار پشاور، فون: (091)2584824,2214495
مکتبہ خدام القرآن لاہور
K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-(042)35869501

علمائے کرام کی سب سے بڑی ذمہ داری:

غلبہ دین کی جدوجہد

ضمیر اختر خان

ملک کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے، دین اسلام کی عظیم شمع کو روشن کیے ہوئے، ہزاروں دینی مدارس کے طلبہ وطالبات کی کثیر تعداد نے کچھ عرصہ پہلے اختتامی اسباق پڑھے۔ جگہ جگہ ختم ''بخاری'' کی تقریبات منعقد ہوئیں۔ مولانا مفتی تقی عثانی مدظلہ العالی تو اس سلسلے کی ایک عظیم الشان تقریب میں شرکت کے لیے عالم اسلام کی نمائندہ درس گاہ ''دارالعلوم دیوبند'' پہنچے۔ جب سے ان کے روح پرور خطاب کی روداد پڑھی اس مادرعلمی کی زیارت کا شوق دل میں مچل رہا ہے۔ دیکھیے، اللہ یہ سعادت کب مرحمت فرماتے ہیں۔ اس ذات باری کے اذن کے بغیر پتا تک جنبش نہیں کرسکتا تو ہم کہاں جاسکتے ہیں۔ بہرحال طلب صادق کو اللہ قبولیت سے نواز بھی دیتے ہیں۔ ذکر ہورہا تھا طلبہ دین اسلام کا۔ تو اس حوالے سے منتہی طلبہ کو علمائے کرام، اساتذہ اور مشائخ نے اپنے اپنے انداز میں پندونصیحت فرمائی۔ مختلف اہل قلم نے بھی حق وصیت ادا کیا۔ نوجوان قلم کار مولانا سید عدنان کاکاخیل نے ہفت روزہ ضرب مومن میں شائع شدہ اپنے کالم ''بسم اللہ کیجیے'' میں ایک ایسے فریضے کی طرف متوجہ کیا ہے جس کا شعور وادراک اکابر علماء کو تو شاید ہوگا لیکن طلبہ اسلام کو اس کا احساس کم کم ہے۔ موصوف نے منتہی طلبہ کو بڑے قیمتی مشورے دیے ہیں کہ وہ فراغت کے بعد کیا کیا کام کریں۔ انہوں نے ایک ایسے ہی طالب علم کو بطور مثال پیش کیا ہے جو دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد اپنے والد کو خط لکھ کر حصول علم کے مقاصد اور اپنے مستقبل کے عزائم کے بارے میں آگاہ کررہے ہیں۔ اللہ اللہ کیا شان تھی اس دور کے طالب علموں کی! یہ نوجوان طالب علم مولانا حکیم ڈاکٹر عبدالعلی ہیں جو منجملہ اور اہم کاموں کے اس عزم کا برملا اظہار کررہے ہیں کہ ''تذکیر وتعلیم ہمیشہ سے ضروری رہی ہے اور جتنا رسول ﷺ سے بُعد زمانی بڑھتا گیا ہے اسی قدر زیادہ ضروری ہوتی گئی ہے۔ لیکن یہ اصول کبھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا کہ وہی تذکیر مفید ہوسکتی ہے جس کی جانب مخاطب کا نفس متوجہ کیا جاسکے''۔ پھر فرماتے ہیں کہ ''عوام بلکہ خواص کے نفوس بھی امور حاضرہ دنیاوی کی جانب آسانی سے متوجہ ہوجاتے ہیں کہ تقاضائے فطرت ہے۔ اس لیے حکمت الٰہی اس کی مقتضی ہوئی کہ اس امت کے لیے جس کو ﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾ (آل عمران 110) ''(مومنو!) جتنی امتیں (یعنی قومیں) لوگوں میں پیدا ہوئیں تم ان سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو۔'' ہدایت کا کام سپرد کیا گیا تھا، غلبہ وتفوق فی الارض وعلو بھی لازم کردیا گیا۔ نہ اس لیے کہ "اکراہ فی الدین" ہو بلکہ اس لیے کہ نفوس امم اس امت کی تقلید پر آمادہ ہوجائیں اور ان کی تذکیر پر توجہ کریں، کیونکہ اہل دنیا جن کے نزدیک دنیا ہی سب سے بڑی چیز ہے، کسی کا دنیاوی غلبہ دیکھ کر اسے ہر امر میں اپنے سے بہتر سمجھنے لگتے ہیں یہاں تک کہ اس کے مذہبی وذہنی تفوق پر بھی ایمان لے آتے ہیں''۔ (جیسا کہ مغربی تہذیب کے غلبہ کی وجہ سے مسلمانوں کا آج معاملہ ہے) مولانا مزید فرماتے ہیں کہ ''انبیائے سابقین میں سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے سبا کے قاصدوں کو دکھانے کے لیے اپنی عظمت اسی لیے ظاہر کی تھی اور ملکہ سبا کا تخت منگوالینا بھی اسی پر مبنی تھا۔ نیز اسے ''صرح ممرد'' میں لے جانا بھی اسی غرض سے تھا، کہ وہ اپنے آپ کو ذہنی حیثیت سے بھی حضرت سلیمان علیہ السلام سے کم تر سمجھے اور جس طرح اس نے کانچ کو پانی سمجھنے میں غلطی کی اور اس غلطی کا احساس کیا، اسی طرح آفتاب پرستی کی غلطی کا بھی احساس کرلے۔ چنانچہ اس غلطی کے احساس کے بعد ہی اسے اس غلطی کا بھی احساس ہوگیا اور وہ ایمان لے آئی''۔

یہ ہے اصل اور بڑا فریضہ جس کی جانب علمائے کرام بالخصوص فضلائے عظام کو جو اس سال فارغ التحصیل ہوئے، خصوصی التفات کرنا ہے۔ یہ عظیم فریضہ اسلام کے غلبہ وتفوق فی الارض یعنی اسلام کو تمام باطل نظامہائے زندگی پر غالب کرنے کی سعی کا فریضہ ہے۔ یوں تو یہ امت مسلمہ کے ایک ایک فرد کی ذمہ داری ہے لیکن علمائے کرام کی تو یہ سب سے بڑی ذمہ داری ہے، کیونکہ وہ محمد رسول اللہ ﷺ کے اصل وارث ہیں، اور محمد ﷺ کے مقاصد بعثت میں سب سے اعلیٰ مقصد اللہ کے دین کا غلبہ واظہار تھا۔ قرآن مجید میں آپؐ کے اس مقصد کو تین مقامات پر ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ ''وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسول ﷺ کو الھدیٰ (قرآن) اور دین حق (عادلانہ شرعی نظام) دے کر، تاکہ وہ (نبی ﷺ) اسے غالب کردیں کل کے کل نظام زندگی پر۔'' (سورۃ توبہ:33، سورۃ الفتح:28، سورۃ الصف:9) جزیرۃ العرب کی حد تک یہ ذمہ داری نبی ﷺ نے بنفس نفیس انجام دی۔ اس کے بعد آپؐ کے جاں نثار وہونہار صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین نے یہ فریضہ باحسن انداز میں نبھایا، جس کا جامع وخوبصورت عنوان دور خلافت راشدہ

تذکیر وتعلیم ہمیشہ سے ضروری رہی ہے لیکن یہ اصول کبھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا کہ
وہی تذکیر مفید ہوسکتی ہے جس کی جانب مخاطب کا نفس متوجہ کیا جاسکے

ہے۔ اس کے بعد بھی لگ بھگ ایک ہزار سال تک یہ ذمہ داری مسلمان امراء وسلاطین ادا کرتے رہے۔ لیکن گزشتہ اڑھائی تین صدیوں سے اسلام کا عالم گیر غلبہ کھٹائی میں پڑا ہوا ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ علمائے کرام کمر ہمت کسیں اور اس عظیم فریضے کی انجام دہی کے لیے کوشاں ہو جائیں، تاکہ اللہ کا وعدہ ﴿اِنۡ تَنۡصُرُوا اللّٰہَ یَنۡصُرۡکُمۡ وَیُثَبِّتۡ اَقۡدَامَکُمۡ ۝﴾ (محمد) ''اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا اور تم کو ثابت قدم رکھے گا'' پورا ہو۔ اور کچھ بعید نہیں کہ اللہ یہ سعادت اہل پاکستان کو عطا فرما دے اور یہاں کے علماء کی مساعی جمیلہ عالمی غلبۂ اسلام کی تمہید بن جائیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سال فارغ التحصیل ہونے والے طلبۂ اسلام کی خدمت میں نعمان بن بشیرؓ کی حدیث جسے امام احمد نے روایت کیا ہے ہدیۃً پیش کی جائے، تاکہ وہ مستقبل کا لائحہ عمل طے کرتے وقت اس حدیث میں وارد خوش خبری کو بھی اپنے سامنے رکھیں اور اپنی صلاحیت کے مطابق خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے دور ثانی کے لیے راہیں ہموار کرنے میں اپنا کردار ادا کرسکیں۔ حدیث کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

''تمہارے اندر عہد نبوت جب تک اللہ چاہے گا موجود رہے گا۔ پھر جب اللہ اسے ختم کرنا چاہے گا تو اس (عہد نبوت) کو ختم کر دے گا۔ (اس کے بعد) پھر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہوگی، جو قائم رہے گی جب تک اللہ (اسے قائم رکھنا) چاہے گا، پھر جب اللہ اسے ختم کرنا چاہے گا تو اسے ختم کر دے گا۔ پھر (اس کی جگہ) کاٹ کھانے والی بادشاہت قائم ہو جائے گی، جو جب تک اللہ چاہے گا برقرار رہے گی۔ پھر جب اللہ اسے ختم کرنا چاہے گا تو ختم کر دے گا۔ پھر جابرانہ ملوکیت کا دور ہوگا، جو جب تک اللہ چاہے گا باقی رہے گا۔ پھر جب اللہ اسے بھی ختم کرنا چاہے گا تو کر دے گا۔ پھر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ (دوبارہ) قائم ہو جائے گی (لگتا ہے کہ اس کا وقت قریب آ گیا ہے۔ اللہ ہم سب کو اس کا احساس وشعور عطا فرمائے۔) پھر آپ ﷺ خاموش ہو گئے''۔ خاموشی کا مطلب بعض شارحین نے یہ لیا ہے کہ اس کے بعد قیامت ہوگی۔ واللہ اعلم

بقیہ: میڈیا: برائی کی جڑ یا ایک کارآمد ہتھیار؟

ہی نہیں چاہتے، بالکل ٹھیک نہیں ہے۔ یہ میڈیا ہی ہے کہ جس کے باعث آج ڈاکٹر ذاکر نائیک کو پوری دنیا جانتی ہے۔ مولانا سید توصیف الرحمٰن شاہ کی دعوت عام ہو رہی ہے۔ ڈاکٹر فرحت ہاشمی عالمی سطح پر پہچان رکھتی ہیں۔ بہت سی اسلامی تنظیموں نے ایسا مواد تیار کیا ہے جو کہ واقعی پرکشش ہے اور اس کی وجہ سے ہی بہت سے لوگ مسلمان بھی ہوئے۔ انٹرنیٹ تبلیغ کا بہت بڑا ذریعہ بن چکا ہے اور یورپ وامریکہ میں اتنے لوگ اس کے ذریعے مسلمان ہوئے ہیں جن تک پہنچنا شاید ویسے ممکن ہی نہ ہوتا۔ ایک رپورٹ کے مطابق سعودی عرب کی موبائل ایس ایم ایس سروس سے کئی ہزار لوگ مسلمان ہو چکے ہیں۔ فلسطینی تنظیم حماس اور لبنان میں حزب اللہ نے اپنے مقاصد کے لیے میڈیا کو بھرپور طریقے سے استعمال کیا ہے۔ انہوں نے متعدد مواقع پر یہودی اور مغربی میڈیا کو شکست دی ہے۔ یہ لوگ انتہائی مہارت سے میڈیا کو اپنے حق کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ ایران میں بھی میڈیا کی روایتی پریکٹس سے ہٹ کر متبادل فراہم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ اگر یہ سب کام منظم طریقے سے ہونے لگے تو زیادہ اچھے نتائج حاصل کیے جا سکتے ہیں

یہ بات واضح ہونی چاہیے کہ وقتی طور پر کسی گروپ کا غلبہ دیکھ کر پریشان نہ ہوا جائے۔ ایسا تو انبیاء کے دور میں بھی نہیں ہوا کہ سب لوگ ہی ہدایت یافتہ ہو گئے ہوں۔ یہ مقابلے کی دنیا ہے۔ ہر گروہ کو اپنا اپنا کام کرنا ہوتا ہے۔ میڈیا معاشرتی تبدیلی کا طاقتور ترین ہتھیار ہے اور دعوت کے میدان میں اس کی ضرورت بڑھتی جا رہی ہے۔ لہٰذا دینی طبقے کے لیے ضروری ہے کہ میڈیا سے دور رہنے کی پالیسی کو ترک کرتے ہوئے اسے اپنے حق میں استعمال کرنے کی کوششوں کا آغاز کرے۔

نیوز آف دی ویک

گیدڑ کی موت آئے تو وہ شہر کا رخ کرتا ہے

اہلیہ انصار احمد

خبر: ''پرویز مشرف نے مغرب پر زور دیا ہے کہ وہ طالبان کے خلاف کارروائی جاری رکھیں، افغانستان سے انخلا کوئی ''آپشن'' نہیں اور جب پوری دنیا طالبان کے خلاف ہے تو ''ہم'' کیوں کامیاب نہیں ہو سکتے، ہم جیت سکتے ہیں اور جیتیں گے۔ لیکن اس کے لیے ہمیں قربانیاں دینی ہوں گی۔''

تبصرہ: ہم بھی مغرب پر زور دیتے ہیں کہ وہ پرویز مشرف کی تجاویز پر ضرور ''عمل'' کرے، مغربی اور امریکی افواج تو شاید تھک چکی ہیں اور ''بھاگنے'' کا سوچ رہی ہیں، جبکہ ہمارے ''مشرف'' صاحب کے حوصلے ''ابھی تک'' جوان اور تازہ ہیں اور ''قربانیاں'' دینے کے لیے تیار بھی۔

لہٰذا ہم مغرب سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ پرویز مشرف کو افغانستان بھیج دیں، اور تازہ ترین آپریشن کی کمانڈ ہمارے ''بہادر'' اور ''لال مسجد کے فاتح جنرل'' کو دے کر ان کی صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ اُٹھائیں، (شاید آدھی جنگ تو وہ کے لہرا کر ہی جیت جائیں) اس طرح اُن کا قربانیاں دینے کا شوق بھی پورا ہو جائے گا، اور وہ مغرب سے اپنی ''ذاتی'' و ''عملی'' وفاداری کا ثبوت بھی دے سکیں گے (ملک وقوم کے علاوہ)۔ دوسری طرف طالبانِ افغانستان کو بھی اطلاع کر دینی چاہیے کہ وہ اُنہیں ''جی آیاں نوں'' کہنے کی تیاری مکمل کرلیں۔ اسے کہتے ہیں گیدڑ کی موت آئے تو وہ شہر کا رُخ کرتا ہے۔

انقلاب دستک دے رہا ہے!

انجینئر فیضان حسن

میں پاکستان کا ایک عام سا نوجوان ہوں۔ اور میرا یہ ماننا ہے کہ ہر نوجوان الا ماشاء اللہ کچھ نہ کچھ عقل و شعور رکھتا ہے اور اسی کی بنیاد پر وہ اپنے اردگرد ہونے والے واقعات کو پرکھتا ہے۔ ایسی ہی کچھ کوشش میں نے بھی کی۔ لیکن اس سے بڑے حیران کن اور الجھے ہوئے حقائق سامنے آئے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس تحریر کے ذریعے اپنے جیسے کچھ اور الجھے الجھے نوجوانوں کی بھی نمائندگی کر سکوں اور جان سکوں کہ سوچ کی اس شاہراہ پر میں اکیلا ہی بھٹک رہا ہوں یا کوئی اور بھی میرا ہم سفر ہے۔

میری نظر اٹھتی ہے اپنے حکمرانوں کی طرف۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان جو دراصل عوامی جمہوریہ پاکستان ہے، کے حکمران جو ہماری نمائندگی کرتے ہیں اور قانون ساز بھی ہیں، حاکم اعلیٰ ہیں تو نہیں لیکن بنے ضرور بیٹھے ہیں۔ میں فوراً سوچتا ہوں کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو ہم میں سب سے زیادہ متقی ہوں گے، دین کو سب سے زیادہ سمجھنے والے ہوں گے، اسلام کا نام روشن ہی ان سے ہوگا، ضرور یہ ابوبکر، عمر، عثمان اور علی (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے نقش قدم پر ہوں گے۔ لیکن میں الجھ جاتا ہوں، جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ اسلام آباد کے ایک قحبہ خانے سے ایک وفاقی وزیر کو مع ''سامان عیاشی'' گرفتار کیا جاتا ہے۔ جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ اتنے اتنے بڑے عہدوں پر فائز لوگ اتنی گھٹیا سوچ کے مالک ہیں، جب میں ان حکمرانوں کو چند ٹکوں کی خاطر امریکہ اکبر کے نعرے لگاتے دیکھتا ہوں تو میرے ذہن میں ایک تصویر بنتی ہے گویا ایک نامعقول جانور اپنے مالک کے پیچھے دم ہلاتا پھرتا ہے، اس کے اشارے پر چھلانگ لگاتا ہے اور اپنے بھائی بندوں کے ساتھ ہی لڑ پڑتا ہے۔ میں ڈر جاتا ہوں۔

میری نظر اٹھتی ہے دین کے علمبرداروں کی طرف۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اس دین کے وارث بھی ہیں اور ہمارے رہنما اور سب سے زیادہ قابل احترام بھی۔ لیکن سوائے چند ایک کے باقی سب مجھے چند اختلافی مذہبی معاملات پر ایک دوسرے سے لڑتے نظر آتے ہیں۔ میں دیکھتا ہوں، وہ محبت بھرے خطوط جو لال مسجد کے علماء کو لکھے گئے کہ ہم آپ کی مدد کو آ رہے ہیں لیکن جب ''شریعت یا شہادت'' کا نعرہ لگانے والوں پر فاسفورس بم پھینکے گئے تو سب خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہے تھے۔ میں دیکھتا ہوں، امریکہ کے خلاف بڑھ چڑھ کر نعرے لگانے والے اور جہاد فرض عین کے فتوے دینے والوں کی اپنی عزیز از جان اولادیں کیمبرج یونیورسٹی میں پڑھ رہی ہیں۔ میں دیکھتا ہوں، عاشقان رسولؐ کو رسول ﷺ کی شریعت کا نفاذ کرنا یاد تک نہیں۔ کوئی خانقاہوں میں سر جھکا رہا ہے تو کوئی اپنے بزرگوں کے گن گا رہا ہے اور کوئی کفر کے فتوے لگا رہا ہے۔ سب اپنے اپنے خول میں بند ہیں۔ کوئی کسی کو گلے لگانے کے لیے تیار نہیں۔ میں ڈر جاتا ہوں۔

میری نظر اٹھتی ہے اپنی فوج کی طرف، جو اس ملک کی عملاً سب سے بڑی قوت ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ میرے شیر جوان بھائی میرے ہی بھائیوں کی طرف بندوقیں تانیں کھڑے ہیں، بندوقیں گولیاں اگلتی ہیں، میرے ہی ہوائی اڈوں سے ڈرون طیارے جو اب "ڈراؤنے" طیارے ہیں، اڑتے ہیں، برقعہ پوش بہنوں کو مارا جاتا ہے، بچیوں کو قید کر لیا جاتا ہے، داڑھی والوں کو اٹھا لیا جاتا ہے۔ دونوں طرف سے مسلمان مرتے ہیں۔ ادھر والوں کو بھی شہید کا فتویٰ دیا جاتا ہے ادھر والوں کو بھی۔ لڑوانے والا باہر بیٹھ کر تماشا دیکھتا ہے اور کھلکھلا کر ہنستا ہے۔ میں مسخ ہوتی جلی ہوئی لاشیں دیکھتا ہوں تو چلانا چاہتا ہوں مگر پاک فوج پائندہ باد کے شور میں میری چیخیں دم توڑ جاتی ہیں۔ میں ڈر جاتا ہوں۔

میری نظر اٹھتی ہے عوام کی طرف، جن میں خود میں بھی شامل ہوں۔ میں دیکھتا ہوں کہ الا ماشاء اللہ ہر شخص دنیا سے محبت اور موت سے نفرت کرتا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ سورۃ القیامہ کی آخری آیات کے مصداق لوگوں میں دین کی طرف کوئی رجحان نہیں ہے بلکہ حلال و حرام کی تمیز تک ختم ہو چکی ہے اور مستزاد یہ کہ دیندار لوگوں کی طرف قابل نفرت نگاہوں سے دیکھنا بھی شعار بن چکا ہے۔ درود والا مولوی تو بہت اچھا ہے، اس کی خدمت کرو اور بارود والے مولوی سے نفرت کرو۔ میں ذہین ترین بچوں کو ڈاکٹر، انجینئر اور کند ذہنوں کو مدرسوں میں ڈالتے دیکھتا ہوں۔ میں دیکھتا ہوں کہ برائی کی طرف تو والدین کھلی چھوٹ دیتے ہیں لیکن اگر بچے کا دین کی طرف رجحان ہو جائے تو اس سے جبینوں پر شکنیں آ جاتی ہیں اور فوراً قدغن لگا دی جاتی ہے۔ میں ڈر جاتا ہوں۔

میری نظر اٹھتی ہے اللہ کے عذاب کی طرف۔ میں دیکھتا ہوں کہ ایک جانب تو سیلاب سب کچھ بہا لے جاتا ہے لیکن بجلی بنانے کے لیے پانی نہیں ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ موبائل سم تو فری میں مل جاتی ہے لیکن آٹا ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا۔ میں دیکھتا ہوں کہ اصلی ڈگریوں والے تو خودکشیاں کر رہے ہیں اور جعلی ڈگریوں والے بیس بیس گاڑیوں میں گھوم رہے ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ کراچی میں اقتدار کی خاطر اور سرحد میں ڈالروں کی خاطر اپنے بھائیوں کا خون بہایا جاتا ہے اور بلوچستان کو الگ کرنے کی سازش کی جا رہی ہے۔ ایف سی کو بھیج کر بنگال کی تاریخ کا اعادہ کیا جا رہا ہے۔ پنجاب میں ''ہمارا بہترین دوست'' بھارت خودکش حملوں میں ہمارا خون بہاتا ہے اور پھر خود ہی طالبان بن کر ان کو قبول بھی کر لیتا ہے (تاکہ اصل طالبان کو یہ تکلیف بھی نہ کرنی پڑے) اور ہم اندھوں کی طرح ان ٹائم بم دھماکوں کو خودکش بھی تسلیم کر لیتے ہیں اور کسی داڑھی والے کا سر کاٹ کر اس کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں، پھر اس کے بارے میں معلومات دینے والے کے لیے چند ٹکوں کا اعلان بھی کر دیتے ہیں اور چند دن بعد چند گناہگاروں کو (جن کا ''گناہ'' سوائے داڑھی کے اور کچھ بھی نہیں ہوتا) کو پکڑ کر اپنا سر اونچا کر لیتے ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ دربار علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد میں شہادتوں پر تو پورا ملک سوگ مناتا

(باقی اندرونی بیک ٹائٹل پر)

میڈیا: بُرائی کی جڑ یا ایک کارآمد ہتھیار؟

محمد عاصم حفیظ
ایڈیٹر وقت نیوز
mah_spk@hotmail.com

میڈیا کی حیران کن ترقی نے دنیا بھر کی طرح پاکستان کو بھی شدید متاثر کیا ہے۔ اس نے ہر معاشرے کی طرح ہمارے ہاں بھی گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ میڈیا کے طاقتور اثرات کے باعث معاشرتی رویے تبدیل ہوئے ہیں جبکہ اس نے بعض روایات کو بدلنے میں بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔ میڈیا کے معاشرے پر بے پناہ اثرات کی وجہ سے ہی آج کے دور کو ذرائع ابلاغ کا دور قرار دیا جاتا ہے۔ ذرائع ابلاغ کی مختلف صورتیں ہیں۔ الیکٹرانک میڈیا (ٹی وی چینلز، سی ڈی اور دیگر ویڈیوز)، براڈکاسٹ یعنی ریڈیو۔ سائبر میڈیا (انٹرنیٹ)، پرنٹ میڈیا (اخبار، رسائل وغیرہ) اسی طرح موبائل فونز اور دیگر ذرائع سے پیغام رسانی بھی ذرائع ابلاغ کا حصہ ہے۔

تعلقات عامہ جدید دور کا اہم ترین موضوع ہے اور اسی طرح میڈیا کے دیگر میدانوں کے حوالے سے بھی معلومات اور پیشہ ورانہ تربیت کا خاطر خواہ مواد موجود ہے۔ حکومتیں، ادارے، تنظیمیں اور مختلف افراد میڈیا کو اپنے پیغامات کی اشاعت، نظریات کے فروغ، سماجی اور ثقافتی تبدیلیوں حتی کہ بعض اوقات جنگی مقاصد کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں۔ ترقی یافتہ دنیا میں میڈیا کو باقاعدہ منصوبہ بندی سے استعمال کرنے کا آغاز کئی دہائیاں پہلے ہو چکا ہے، تاہم ہمارے ہاں الیکٹرانک میڈیا اور انٹرنیٹ کی آمد کو ابھی چند سال ہی ہوئے ہیں۔ یہ ایک نیا چیلنج ہے کہ جس نے ہمارے معاشرے کے دیگر طبقات کی طرح دینی حلقوں کو بھی متاثر کیا ہے۔

میڈیا کی روایتی پریکٹس اور تفریحی مواد کی زیادتی کے باعث اسے اسلام اور سماج مخالف سمجھ لیا گیا ہے اور بہت سے حلقے تو تمام تر برائیوں کی جڑ اسے ہی قرار دینے پر مصر ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ دینی حلقوں میں یہ بات سرایت کر گئی ہے کہ میڈیا ہمارے معاشرے میں الحاد، فحاشی، غیر اسلامی روایات اور ایسی ہی منفی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے لیے تیار کردہ ایک سازش کا حصہ ہے اور اس سے صرف اور صرف وہی کام لیا جا سکتا ہے جو کہ آج کل پاکستانی، بھارتی اور مغربی میڈیا پر نظر آ رہا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ دینی طبقے اس سے دور نظر آتے ہیں۔ میڈیا کے خلاف تقاریر، تحریروں کی بھرمار ہے حتی کہ فتوے بھی سامنے آئے ہیں لیکن اس کے اثرات کم ہونے کی بجائے مزید بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔ تاہم کچھ مخلص حلقوں نے میڈیا کے میدان میں دینی حوالے سے سرگرمی دکھائی ہے اور شاید اسی لیے اب کہیں کہیں میڈیا کو سمجھنے اور اس کے درست استعمال کی کوششیں بھی نظر آتی ہیں۔ حالات کی ٹھوکروں نے میڈیا کی اہمیت تو باور کرا دی ہے لیکن دینی طبقہ ابھی تک میڈیا کے بنائے ہوئے ماحول کو سمجھنے اور اس کی موجودہ پریکٹس میں اپنے لیے راہ تلاش کرنے میں ناکام رہا ہے۔ اندریں حالات ضروری ہے کہ میڈیا سے متعلق پائی جانے والی غلط فہمیوں کی وضاحت ہو اور دینی طبقے کو دعوت فکر دی جائے۔

یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ اگر میڈیا ٹیکنالوجی کو دینی علوم رکھنے والے افراد مکمل پیشہ ورانہ اصولوں کے ساتھ استعمال کریں تو اسے تبلیغ دین کے لیے با آسانی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ہم اس معاملے کو ایک مثال کے ذریعے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں جس سے بات واضح ہو جائے گی۔ ایک ہوائی جہاز آپ کو یورپ کے عشرت کدوں یا عیاشی کے اڈوں میں بھی لے جا سکتا ہے اور وہی آپ کو مکہ مکرمہ میں حج کے لیے بھی لے جا سکتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ آپ نے کون سی سمت منتخب کی ہے اور پائلٹ کو کیا ہدایات دی ہیں۔ میڈیا ٹیکنالوجی بھی ہوائی جہاز، موٹر کاروں اور دیگر سہولیات ہی کی طرح ایک ایجاد ہی ہے۔ چند آلات بنائے گئے ہیں کہ جن کو پیغام رسانی، اپنے نظریات کے فروغ اور ان کو پھیلانے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اگر آپ اس کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کریں گے تو آپ کا نظریہ اور پیغام ہر سو پھیلا دے گا اور اگر اس سے دور رہ کر محض تنقید سے کام چلانے کی کوشش کی تو یہ میڈیا اتنا طاقتور ہے کہ آپ کی آواز کو گمنام بنا دے گا یا آپ خود ہی اس کے اثرات کے سامنے خاموش ہو جائیں گے۔ ایک اور مثال سے سمجھتے ہیں۔ کیا آج کے دور میں آپ نے کوئی ایسا نیک شخص دیکھا ہے جو مکمل خلوص اور صرف اور صرف ثواب کے جذبے کے تحت پیدل حج پر جانا چاہتا ہو۔ شاید نہیں! کیونکہ علمائے کرام سمیت ہر کوئی اسے جہاز یا اور کوئی تیز ترین ذریعہ استعمال کرنے کی تلقین کرے گا۔ آج ہم گاڑیوں، کمپیوٹرز اور ایسی ہی دیگر چیزوں سے صرف اس لیے دور ہونا پسند نہیں کریں گے کہ ان کا غلط استعمال بھی ہوتا ہے۔ یہی حال میڈیا ٹیکنالوجی کا ہے۔ یہ تو دعوت کو تیز ترین طریقے سے بڑے پیمانے پر پھیلا دینے کا ہتھیار ہے۔ اگر ملحدین اپنا پیغام پھیلانے کے لیے ایسا مواد تیار کرتے ہیں جو معاشرے میں بگاڑ کا باعث بنے تو اسلامی اصولوں کے اندر رہتے ہوئے بھی ایسا مواد تیار کیا جا سکتا ہے کہ جس سے عقائد پر بھی فرق نہ آئے اور دعوت کا کام بھی مؤثر طور پر ہو سکے۔ شرط یہ ہے کہ اس کا استعمال سیکھ کر آلات کو مرضی کے مطابق چلانا سیکھا جائے۔ سوچ و بچار کے بعد اور بھرپور تیاری سے مواد کی تیاری کے لیے کام کیا جائے۔

اس مضمون کے ذریعے دینی طبقوں کو مخاطب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جو اشاعت اسلام کا بھرپور جذبہ رکھتے ہیں اور اس کے لیے اپنا وقت اور توانائیاں صرف کرتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ ہمارے معاشرے میں دین کی جو رہی سہی جھلک نظر آتی ہے وہ منبر و محراب کے ان وارثوں کی ہی وجہ سے ہے۔ مدارس کے پڑھے ہوئے علماء کرام ہی ہمارے معاشرے میں دین کے بقا کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ معزز علماء کو چاہیے کہ میڈیا کو تنقید کا نشانہ بنانے کی بجائے اس کو اپنے حق میں استعمال کرنے کی طرف توجہ دیں۔ دعوت کے جذبے سے ان آلات کو اپنی آواز کفر کے ایوانوں میں پہنچانے کے لیے تصرف میں لائیں۔ یقین کریں کہ میڈیا سے

علماء کی دوستی اسلام کے لیے انتہائی مفید ثابت ہوگی اور یہ امر دعوت حق کو چہار سو پھیلانے کا باعث بن سکتا ہے۔

میڈیا کے درست استعمال کے حوالے سے درپیش مسئلہ کو سمجھنے اور اس کو حل کرنے کے لیے منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔ یہ واضح ہے کہ اسلام گوشہ نشینوں اور تارک دنیا افراد کا دین نہیں ہے بلکہ اس کے ماننے والے معاشرے کے فعال رکن بن کر جیتے ہیں۔ تو پھر کیونکر دینی طبقہ کی جانب سے میڈیا کے میدان کو کھلا چھوڑ دیا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ابلاغ کا شعبہ معاشرے کی تشکیل میں شامل نہیں ہوتا؟ دینی دعوت کا کام سرانجام دینے والے لوگ اور تنظیمیں کیونکر اس کے بارے میں غور نہیں کرتے۔ کیا یہ فرض کرلیا گیا ہے کہ یونیورسٹیوں سے ماس کمیونیکشن کرنے والے طلبہ جو کہ ملکی نظام تعلیم کی خرابیوں کے باعث دین کا کچھ زیادہ نظریاتی علم ہی نہیں رکھتے وہ ہی میڈیا کے میدان میں سب کی رہنمائی کریں گے۔ دینی طبقہ کیا ان سے معجزوں کی امید لگائے بیٹھا ہے؟ کیا یہ انتظار کیا جارہا ہے کہ یہ لوگ میڈیا کو ایسا بنا دیں گے کہ دین کی دعوت کے لیے اچھا ہو اور اس سے اسلام کی شاعت ہو سکے؟ اگر یہی سوچ ہے تو یہ واقعی پریشان کن ہے کیونکہ یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ بغیر نظریاتی علم اور ٹھوس علمی بنیاد کے صرف پیشہ ورانہ علم ہی کافی نہیں ہوتا۔ اور میڈیا کی درست سمت کے تعین کے لیے دینی علم رکھنے والوں کو خود میدان میں آنا پڑے گا۔

یہ بات سمجھ لینا چاہیے کہ میڈیا کا خود اپنا کوئی نظریہ نہیں ہوتا بلکہ اس کو چلانے والے اپنے خیالات عام کرتے ہیں۔ اگر دینی لوگ اس کی باگ ڈور سنبھالیں گے تو یقیناً اسے ہدایت کا سرچشمہ بنایا جاسکتا ہے اور اگر کم دینی علم رکھنے والے یا بالکل دین سے ہی نابلد لوگوں کے ہاتھ میں میڈیا کی طاقت دے دی جائے تو پھر یقیناً یہی کچھ ہوگا کہ جو آج آپ دیکھ رہے ہیں۔ یونیورسٹیوں کے طلبہ کے پاس اچھی دینی معلومات تو ہوسکتی ہیں لیکن نظریاتی حدود کا خیال اور معاشرتی تبدیلیوں کی دینی لحاظ سے درست سمت کا تعین وہی لوگ کرسکتے ہیں کہ جنہوں نے باقاعدہ دینی علوم حاصل کر رکھے ہوں۔ میری مراد مدارس کے پڑھے افراد ہیں اور وہ علماء جو اصل دینی مصادر سے استفادہ کرتے ہیں، احادیث کے علوم سے واقف ہیں جبکہ غلط عقائد اور خالص اسلامی حکم کے درمیان فرق کرسکتے ہیں۔ میڈیا کو تو اچھے بولنے والے چاہئیں۔ یہ واقعی المیہ ہے کہ اس وقت جو دینی پروگرام پیش کیے جارہے ہیں ان میں ٹھوس دینی علم رکھنے والوں کی بجائے نیم دینی علم رکھنے والے لوگ غالب ہیں۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ مستند دینی حلقے اچھے اینکر اور ٹی وی پر اچھے بولنے والے افراد فراہم کرنے میں ناکام رہے ہیں، جس کی وجہ سے یہ میدان جاوید غامدی اور ڈاکٹر عامر لیاقت جیسے لوگوں کے لیے کھلا چھوڑ دیا گیا ہے اور وہ اب دینی پروگراموں کو اپنے طریقے سے چلا رہے ہیں اور یہی حال ویب سائٹس، ایف ایم ریڈیوز وغیرہ کا بھی ہے۔ اسی طرح دینی طبقات میں اچھی کتابیں لکھنے کا رواج تو عام ہے لیکن میڈیا کے لیے مضامین نہیں لکھے جاتے۔ ہمارے ہاں حالات حاضرہ کو دینی نقطۂ نظر سے زیر بحث لانے کا انتظام نہیں۔ آپ کو ایک ایک سو یا اس سے بھی زیادہ کتابیں لکھنے والے علمائے کرام تو مل جائیں گے لیکن کالم نگار، فیچر نگار علماء کی تعداد انتہائی کم ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ علماء کی کتابیں صرف انہی کے حلقے کے لوگ پڑھتے ہیں یا پھر اچھا ادبی ذوق رکھنے والے طبقے، بلکہ اس معاملے میں مسلک اور جماعت کی تفریق بھی حائل ہو جاتی ہے۔ جبکہ اگر یہی علماء اچھے انداز سے میڈیا میں اظہار خیال کریں، کالم لکھیں، معاشرتی مسائل پر فیچر لکھیں تو ان کے خیالات سے نہ صرف زیادہ بڑا طبقہ مستفید ہوگا بلکہ لوگ دین کی طرف مائل بھی ہوں گے۔ حالات حاضرہ کو دینی نقطۂ نظر سے زیر بحث لانے سے یہ بھی فائدہ ہوگا کہ علمائے کرام کے بارے میں عام تاثر بھی دور ہوگا کہ یہ وقت کے تقاضوں کو نہیں سمجھتے۔

ایک بہت بڑی غلط فہمی یہ بھی ہے کہ الیکٹرانک میڈیا یعنی ٹی وی، فلم اور دیگر ویڈیوز کو ہی سب کچھ سمجھ لیا گیا ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ الیکٹرانک میڈیا ذرائع ابلاغ کا ایک طاقتور حصہ ضرور ہے لیکن ایسا بھی نہیں کہ اس کے بغیر پیغام رسانی اور نظریات کا فروغ ہی ممکن نہیں۔ ویسے تو بہت سے دینی حلقے کچھ حدود و قیود کے ساتھ الیکٹرانک میڈیا کے قائل ہو چکے ہیں لیکن اگر کوئی جماعت اس کے بغیر ہی چلنا چاہے تو بھی کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے۔

الیکٹرانک میڈیا کے میدان میں آنے کے لیے بھرپور تیاری کی ضرورت ہے کیونکہ دینی تبلیغ کے لیے موجودہ رائج الوقت طریقے کارآمد نہیں ہوں گے۔ دینی جماعتوں کو چاہیے کہ الیکٹرانک میڈیا میں زور آزمائی سے پہلے پہلے دیگر شعبہ جات یعنی پرنٹ میڈیا (اخبارات و رسائل)، سائبر میڈیا (یعنی انٹرنیٹ) میں زیادہ کام کریں۔ کچھ عرصہ کی مکمل پیشہ ورانہ تربیت کے بعد الیکٹرانک میڈیا کی طرف آیا جائے۔ کیونکہ یہ ایک مہنگا کام ہے، اس لیے بغیر پیشہ ورانہ تربیت کے فنڈز ضائع ہونے کا بھی خدشہ ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ انٹرنیٹ، پرنٹ میڈیا اور دیگر ذرائع ابلاغ بھی کچھ کم اہمیت کے حامل نہیں ہیں اور اگر ان کو مکمل پیشہ ورانہ اصولوں سے استعمال کیا جائے تو ان سے انتہائی مفید نتائج حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ شرط صرف اور صرف یہ ہے کہ روایتی اور ڈنگ ٹپاؤ طریقوں سے ہٹ کر اس شعبے کی باریکیوں کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ پروپیگنڈا کرنا ایک مکمل سائنس کا درجہ حاصل کرچکا ہے اور اس کو اپنے حق میں استعمال کرنے کے لیے بھرپور تیاری کی ضرورت ہے۔ ایک وضاحت یہ بھی ضروری ہے کہ "پروپیگنڈا" کے لفظ کو بھی میڈیا کی طرح صرف منفی معنوں میں ہی استعمال کیا جاتا ہے حالانکہ اس سے مراد پیغام کو زیادہ سے زیادہ پھیلا دینا ہے، یعنی دعوت کو عام کرنا۔ یہ منفی اور مثبت دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ دعوتی سرگرمیوں سے منسلک علماء کرام کو پروپیگنڈا کی تکنیکس کے متعلق جاننے کی ضرورت ہے، تاکہ وہ اپنا پیغام زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچا سکیں۔ انتہائی سستے طریقے موجود ہیں کہ جن کے ذریعے آپ اپنی بات سینکڑوں بلکہ ہزاروں لوگوں تک باآسانی پہنچا سکتے ہیں۔ سوشل نیٹ ورکنگ ویب سائٹس، ای میلز، ڈیلی نیوز لیٹر، بلاگس، ویب سائٹس اور ایسی بہت سے چیزوں کے استعمال سے دعوتی سرگرمیوں کو ملکی بلکہ عالمی سطح پر پھیلایا جاسکتا ہے۔ اخبارات میں اچھے لکھنے والوں کے لیے ابھی بہت گنجائش موجود ہے جبکہ الیکٹرانک میڈیا میں اچھے بولنے والوں کی ضرورت ہر وقت رہتی ہے۔ صرف اچھے رابطے کے ذریعے میڈیا گروپس سے فوائد حاصل کیے جاتے ہیں۔

دینی طبقہ کے میڈیا کے میدان میں زیادہ اثر و رسوخ نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مذہبی جماعتوں، ذیلی تنظیموں، بڑے دینی اداروں وغیرہ کے شعبہ اطلاعات سے منسلک افراد بھی میڈیا کی ورکنگ سے پوری طرح آگاہ نہیں اور شاید بہت سے مواقع پر تو اس عہدے کو صرف خانہ پری ہی سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ آج کے دور میں یہ انتہائی اہم عہدہ ہوتا ہے۔ دینی جماعتیں کسی اہم اور نامور عہدیدار کو ہی ترجمان اور اطلاعات کے شعبے کا

انچارج مقرر کرنا پسند کرتی ہیں۔ اگر کسی بڑے نام کو ہی ترجمان مقرر کرنا مقصود ہو تو بھی کم از کم اس کی مدد کے لیے ہی کسی پروفیشنل کو مقرر کر دیں۔ ہم زندگی کے دیگر شعبوں میں ٹیکنیکل کاموں کے لیے ہنرمند افراد کی مدد لینا پسند کرتے ہیں، لیکن شاید میڈیا کے لیے اس اصول کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے۔ کیا ہم اپنی گاڑی کا ڈرائیور یا عمارت کا معمار بھی محض تعلق کی بنا پر مقرر کرنا پسند کریں گے؟ ہرگز نہیں کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ اگر ایسا کیا تو اناڑی ڈرائیور ضرور حادثہ کرادے گا اور اگر معمار ہنرمند نہ ہوا تو عمارت کو اس طرح بنائے گا کہ وہ جلد گر جائے گی۔ شعبۂ اطلاعات اور تعلقات عامہ کو مضبوط اور ماہر افراد کی زیرنگرانی ہونا چاہیے کیونکہ اس کا درست استعمال آپ کی دعوت کو زیادہ تیزی سے عام کرے گا۔ ہر ہر موقعے پر مکمل منصوبہ بندی کی جائے کہ کس مسئلے پر کیا طریقہ کار اختیار کرنا ہے۔ کسی کے اخلاص پر شک نہیں کیا جاسکتا۔ دینی جماعتوں کے شعبہ اطلاعات سے منسلک افراد یقیناً مخلص ہوتے ہیں اور اپنے طور پر بھرپور کوشش بھی کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود مطلوبہ نتائج صرف اس لیے حاصل نہیں ہو پاتے کہ منصوبہ بندی اور پیشہ ورانہ مہارت کی کمی ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ بہت سی دینی جماعتوں اور رہنماؤں کو یہ اعتراض بھی ہے کہ میڈیا انہیں کچھ زیادہ اہمیت نہیں دیتا اور اس کا زیادہ فوکس سیاست اور دیگر تفریحی مواد کی طرف ہوتا ہے۔ اس اعتراض سے پہلے یہ بھی غور کرنا چاہیے کہ کیا کسی دینی جماعت نے میڈیا کی تربیت کے حوالے سے کوئی ادارہ قائم کیا ہے؟ کیا میڈیا میں موجود افراد سے تعلقات بڑھانے اور ان تک اپنا پیغام پہنچانے کے لیے کوششیں کی گئی ہیں؟ کیا دینی جماعتوں نے باقاعدہ ایسے افراد تیار کیے ہیں جو کہ میڈیا پر مخالفانہ پروپیگنڈے کا جواب دے سکیں؟ کیا میڈیا کے لیے مواد کی فراہمی اور پیش کیے جانے والے مواد کا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں متبادل فراہم کرنے کی کوشش کی گئی ہے؟ اگر ایسا نہیں ہو سکا تو پھر اعتراض کیسا؟ جب کچھ بویا ہی نہیں گیا تو کاٹنے کی امید کیوں کی جا رہی ہے۔ اگر آج میڈیا پر لادینیت اور سیکولرازم غالب نظر آتا ہے اور ایسی چیزوں کی بہتات ہے جو اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں تو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ عالمی سطح پر اسلام مخالف اداروں نے اس کے لیے بھرپور کوششیں کی ہیں۔ ایسے ادارے موجود ہیں کہ جو مکمل منصوبہ بندی کے ذریعے میڈیا پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ ریسرچ سینٹرز قائم کیے گئے ہیں۔ سروے رپورٹس اور انکشافات کے ذریعے میڈیا کو ایک خاص لائن فراہم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اسلام مخالف ادارے میڈیا سے منسلک ہنرمند اور تجربہ کار افراد کی خدمات حاصل کرتے ہیں اور ان کی رہنمائی میں ایسا مواد تیار کیا جاتا ہے جو بظاہر تفریح، کھیل یا کسی بھی اور مقصد کے لیے ہوتا ہے لیکن اس کا پوشیدہ مقصد معاشرے میں لادینیت پھیلانا ہے۔ میڈیا پر اس مواد کی اشاعت کے لیے سپانسرز ڈھونڈے جاتے ہیں اور ایک نیٹ ورک کے ذریعے اس کو عام کر دیا جاتا ہے۔ ہیری پوٹر سیریز اور انڈین چینلز کے ڈرامے اس کی مثال ہیں۔ ہیری پوٹر سیریز میں جادو وغیرہ کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس کی کتاب مارکیٹ میں آتی ہے۔ چینلز اس کی کوریج کرتے ہیں۔ پھر فلم بنائی جاتی ہے۔ ملٹی نیشنل کمپنیاں اس کی مشہوریاں بناتی ہیں۔ اس نام کے کھلونے اور دیگر سرگرمیاں سامنے آتی ہیں۔ غرض ایک مکمل منصوبہ بندی کے ذریعے اسے پوری دنیا میں زبان زدعام بنا دیا جاتا ہے۔ یہی حال انڈین ڈراموں کا ہے۔ ان میں ہندو مذہب کی بھرپور تبلیغ کی جاتی ہے۔ خواتین کے لباس کے ایسے ڈیزائن متعارف کرائے جاتے ہیں جو بے حیائی کا باعث ہوں۔ تاجر فوری طور پر اس قسم کے ڈیزائن کردہ لباس بازار میں لے آتے ہیں اور اس طرح ایک منصوبہ بندی کے تحت مقصد حاصل کیا جاتا ہے۔ اگر ہمیں میڈیا کو دینی تبلیغ اور اسلامی روایات کے فروغ کے لیے استعمال کرنا ہے تو اس کے لیے اسی قسم کی منصوبہ بندی کرنے کی ضرورت ہے۔ دینی جماعتوں کو میڈیا کے میدان میں کچھ بونے کی ضرورت ہے، تاکہ اس کی فصل معاشرے میں پھیلنے والے اثرات کی صورت میں کاٹ سکیں۔

مسئلے کو صرف محفلوں میں زیر بحث لانا اور ''استغفراللہ'' اور نعوذباللہ کا ورد کرتے ہوئے میڈیا میں کام کرنے والوں کو بے دین اور اسلام مخالف قرار دینا بھی مناسب نہیں۔ کیونکہ اس سے پریشانی حل نہیں ہوگی بلکہ خلیج بڑھتی جائے گی۔ اس حقیقت کا اعتراف کرنا چاہیے کہ میڈیا میں کام کرنے والے بہرحال مسلمان گھرانوں میں پیدا ہوئے اور ہمارے اسی مسلم معاشرے میں ہی پروان چڑھے ہیں۔ یقین کریں کہ ان میں سے کسی کا بھی تعلق بھارت یا ہندوازم سے نہیں ہے اور نہ ہی ان کی تربیت امریکہ، یہودی تنظیموں یا اسلام مخالف گروہوں میں سے کسی نے کی ہے۔ یہ اسی معاشرے کے ایسے افراد ہیں کہ جنہیں نظام تعلیم کی خرابی، دینی طبقے سے رابطے کے فقدان، مخصوص معاشرتی ماحول اور دیگر عوامل نے موجودہ مقام تک پہنچا دیا ہے۔ بات تو تلخ ہے لیکن تسلیم کرنا چاہیے کہ انہیں دینی طبقہ میڈیا کے میدان کوئی خاص رہنمائی فراہم کرنے میں ناکام رہا ہے اور اب یہ لوگ مغربی اور بھارتی ثقافت میں رنگے نظر آتے ہیں۔ دینی جماعتیں اور حلقے یہ ہی کیوں چاہتے ہیں کہ سب لوگ خود بخود ہی چل کر ان کے پاس آئیں اور آکر رہنمائی کی درخواست کریں۔ اس بات پر کیونکر غور نہیں کیا جاتا کہ دعوت کا فریضہ تو بہرحال آپ کو ہی سرانجام دینا ہے۔ اگر آپ اپنی دعوتی سرگرمیوں کو اچھے طریقے سے سرانجام دیں گے اور مضبوط نیٹ ورک بنائیں گے تو معاشرے کا بڑا طبقہ بشمول میڈیا آپ کے ساتھ چلے گا اور اگر ایسا نہ ہو سکا تو یقیناً مخالفین حاوی نظر آئیں گے اور محض مساجد میں دیئے گئے وعظ اور خطبات کام نہ آسکیں گے۔ دینی تعلیمات سے ہٹ کر زندگی گزارنے والوں کو بھی بہرحال کسی صورت بری الذمہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس بحث کا مقصد تو صرف یہ ہے کہ نظریات کے اس تصادم میں اسلام کی دعوت کے امین اور صاحب علم دینی حلقوں کو کچھ زیادہ محنت کرنے کی ضرورت ہے اور خاص کر میڈیا کے میدان میں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ جب بھی کوئی سنجیدہ کوشش ہوئی تو یہی نوجوان نسل کہ جسے دین بیزار سمجھ لیا گیا تھا وہ ہی ہراول دستہ ثابت ہوئی۔ کشمیر اور فلسطین کی تحریک آزادی میں یونیورسٹیوں کے طلبہ کا ایک بڑا کردار ہے۔ انٹرنیٹ پر تبلیغ میں بھی بڑا حصہ ایسے افراد کا ہے جو شاید کبھی کسی مدرسے نہ گئے ہوں۔ یہ علماء کرام کی کتابوں کی تشہیر کرتے ہیں اور مطالعہ کر کے دلائل ڈھونڈتے ہیں۔ دینی طبقے کو میڈیا سے منسلک افراد سے رابطے بڑھانے کی ضرورت ہے۔ دینی اور نظریاتی افراد کو بھی پیشہ ورانہ مہارت حاصل کر کے میڈیا کے اداروں میں داخل کرایا جاسکتا ہے۔

اس مضمون کا مقصد دعوت فکر دینا تھا کہ ہمیں میڈیا کے میدان میں ذرا تیز رفتاری سے آگے بڑھنے کی ضرورت ہے۔ اگرچہ ایسا بھی نہیں ہے کہ بالکل کام ہی نہیں ہو رہا۔ بہت سے حلقے کوششیں کر رہے ہیں اور ان کے کچھ مفید نتائج بھی نکلے ہیں۔ صرف یہ ہے کہ کام منظم نہیں ہے۔ ایسا سمجھ لینا کہ لوگ میڈیا کے ذریعے دین کی دعوت کو سننا

(باقی صفحہ 7 پر)

صلہ رحمی کی اہمیت

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

بچہ جب اس دنیا میں آتا ہے تو اس کی نگہداشت اور پرورش کے لیے ماں باپ پہلے سے موجودہ ہوتے ہیں اور وہ ایک کنبے کا فرد بن جاتا ہے۔ جوں جوں وہ بڑا ہوتا ہے وہ اپنے افرادخانہ کو پہچاننا شروع کر دیتا ہے۔ خاندان کے افراد اُس سے محبت کرتے ہیں۔ مل جل کر رہنے سے ایک خوشگوار ماحول پیدا ہوتا ہے۔ گھر کے افراد اس کی ضروریات کا خیال رکھتے ہیں، اور اسے ہر طرح کا آرام بہم پہنچاتے ہیں۔ جب کنبہ وسیع ہوتا ہے تو وہ اپنی ماں اور باپ کے رشتہ داروں سے متعارف ہوتا ہے۔ ماں باپ کے رشتہ دار ہی اولین قرابت دار ہوتے ہیں۔ اسلام کی تعلیمات اس سلسلہ میں نہایت واضح اور فطری ہیں۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے رشتہ کے اعتبار سے قریب کیا ہے اُن کے ساتھ حسن سلوک کی بھی ترغیب دی ہے۔ چونکہ یہ رشتے اللہ تعالیٰ نے بنائے ہیں، اس لیے اس نے حکم دیا ہے کہ ان کو جوڑا جائے اور توڑا نہ جائے۔ قرآن مجید میں بھی قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید ہے اور پھر رسول اللہ ﷺ نے بھی اس ضمن میں ہدایات فرمائی ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ صحابی رسول کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں اللہ ہوں۔ میں الرحمٰن ہوں۔ میں نے رشتہ قرابت کو پیدا کیا ہے اور اپنے نام رحمٰن سے مادہ نکال کر اس کو رحم کا نام دیا ہے۔ پس جو اسے جوڑے گا میں اس کو جوڑوں گا اور جو اس کو توڑے گا میں اس کو توڑوں گا۔ گویا رشتوں کو توڑنا اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو قبول نہ کرنے کے مترادف ہے۔ اسی لیے اس کو بہت بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے، بلکہ آپ ؐ کا فرمان ہے کہ قطع رحمی کرنے والا (یعنی رشتہ داروں اور اہل قرابت کے ساتھ بُرا سلوک کرنے والا) جنت میں نہ جا سکے گا۔

عام طور پر رشتہ داروں اور اہل قرابت میں تعلقات خراب ہو جاتے ہیں جس کی کچھ وجوہات ہوتی ہیں۔ اگر ہر شخص ان کو پیش نظر رکھے تو قطع رحمی کے جرم عظیم سے بچ سکتا ہے۔

1۔ جہالت کو چھوڑ کر اسلامی تعلیمات سے واقفیت حاصل کرے، تاکہ اس پر قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت واضح ہو اور وہ اس معاملے میں کوتاہی کے سنگین نتائج سے واقف ہو سکے۔

2۔ بڑی عمر کے لوگ اور رشتے میں بڑے اپنے چھوٹوں پر شفقت کریں اور چھوٹے اُن کا ادب و احترام بہر حال ملحوظ رکھیں۔

3۔ آپس کے چھوٹے موٹے قصور ایک دوسرے کو معاف کرتے رہیں۔ دوسروں کی کوتاہیوں پر نظر رکھنے کی بجائے اپنی کمزوریوں کا جائزہ لیتے رہنا چاہیے۔

4۔ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ رشتہ داروں میں جو خوش حال ہو جاتے ہیں وہ اپنے کم حیثیت کے رشتہ داروں سے نفرت کرنے لگتے ہیں اور اس طرح محبت کے بندھن ٹوٹ جاتے ہیں۔ اس کے برعکس یہ بھی ہوتا ہے کہ غریب اور نادار لوگ اپنے صاحب حیثیت رشتہ داروں سے حسد کرنے لگتے ہیں اور اُن کے بدخواہ ہو جاتے ہیں۔ اس سے بھی تعلقات خراب ہوتے ہیں۔ حسد بہت بڑی اخلاقی برائی ہے۔ کیونکہ کسی کو کم رزق دینا یا مالی فراخی دینا تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اسی طرح عزت اور ذلت بھی اللہ کے اختیار میں ہے۔ حسد کرنے والا اللہ کے فیصلے کو قبول نہ کر کے اللہ کی ناراضی مول لیتا ہے، جو بہت بڑا گناہ ہے۔ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو ختم کر دیتی ہے۔

5۔ بعض اوقات لوگ اپنی غلطی اور کوتاہی کا اعتراف کر لیتے ہیں لیکن دوسرا فریق معاف کرنے میں فراخ دلی کا مظاہرہ نہیں کرتا۔ یہ طرز عمل بھی اللہ کو پسند نہیں۔ ہر شخص کو اس بات کی خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے قصور اور گناہ معاف کر دے۔ اگر آج دنیا میں وہ دوسروں کے قصور معاف نہیں کرے گا اور سختی کا رویہ اختیار کرے گا تو کل وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کس طرح اپنے قصوروں کی معافی کی امید رکھ سکتا ہے۔ لہٰذا اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ نرم رویہ رکھنا چاہیے۔

عام تجربہ ہے کہ خاندانی جھگڑے اور الجھنیں قرابت داری کے حقوق ادا نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں جو آدمی کے لیے دلی پریشانی اور اندرونی کڑھن اور گھٹن کا باعث بنتی ہیں۔ جس سے کاروبار زندگی متاثر ہوتا ہے اور صحت پر بھی برا اثر پڑتا ہے۔ لیکن جو لوگ اعزہ و اقارب کے ساتھ نیکی، صلہ رحمی اور حسن سلوک کا تعلق رکھتے ہیں ان کی زندگی سکون اور خوش دلی کے ساتھ گزرتی ہے اور ہر لحاظ سے ان کے حالات بہتر رہتے ہیں اور اللہ کی مہربانی اور فضل و کرم اُن کے شامل حال رہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو کوئی یہ چاہے کہ اس کے رزق میں فراخی اور خوش حالی ہو اور دنیا میں اس کے آثار قدم تادیر رہیں (یعنی اس کی عمر دراز ہو) تو وہ اہل قرابت کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔ صلہ رحمی کی اہمیت اس بات سے بھی واضح ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، وہ آدمی صلہ رحمی کا حق ادا نہیں کرتا کہ جو صلہ رحمی کرنے والے اپنے اقرباء کے ساتھ بدلہ کے طور پر صلہ رحمی کرتا ہے۔ صلہ رحمی کا حق ادا کرنے والا دراصل وہ ہے جو اس حالت میں بھی صلہ رحمی کرے اور قرابت داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرتا رہے جو قرابت داری کے تعلقات کو توڑنے کی کوشش کرتے ہوں۔ یہ اس لیے کہ اچھے سلوک کے جواب میں تو اچھا سلوک عموماً کیا ہی جاتا ہے، جوانمردی تو یہ ہے کہ بُرا سلوک کرنے والے کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔

> حدیث قدسی ہے: ”میں اللہ ہوں۔ میں الرحمٰن ہوں۔ میں نے رشتہ قرابت کو پیدا کیا ہے اور اپنے نام رحمٰن سے مادہ نکال کر اس کو رحم کا نام دیا ہے۔ پس جو اسے جوڑے گا، میں اس کو جوڑوں گا، اور جو اس کو توڑے گا میں اس کو توڑوں گا۔“

ڈاکٹر اسرار احمدؒ ..... اک شخصِ بے قرار

[illegible]

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کم و بیش پون صدی اس دنیا میں گزار کر رخصت ہوئے ہیں تو کئی ایسے نقوش چھوڑ گئے ہیں جنہیں اَن مٹ کہا جاسکتا ہے۔ ان کے مداح بہت تھے، ناقدوں کی بھی کمی نہیں تھی، ناک بھوں چڑھانے والے بلکہ مخالفت کرنے والے کم نہیں تھے۔ وہ ایک ایسے شخص تھے جن کے ہاں آرام اور چین نہیں تھا، ایک بے چینی تھی، اضطراب تھا، بے قراری تھی کہ بیٹھنے نہیں دیتی تھی۔ وہ دنیا کو بدل دینا چاہتے تھے، اس کی ایک ایک کل سیدھی کرنا چاہتے تھے، تخت اچھال دینا چاہتے تھے اور تاج گرا دینا چاہتے تھے، خلافت کا نظام برپا کرنا چاہتے تھے۔ اس منزل تک تو نہیں پہنچ پائے لیکن زور انہوں نے ایڑی چوٹی کا لگایا، خوب پسینہ بہایا، بلکہ یہ کہیے تو غلط نہیں ہوگا کہ پہلے خون پسینہ ایک کیا، پھر اسے بہایا..... غصہ بہت آتا تھا، کھولتے بہت تھے، غضبناک نگاہیں اِدھر اُدھر دوڑاتے تھے۔ لگتا تھا بجلی بن کر خرمن اغیار پر گریں گے اور اسے راکھ کر ڈالیں گے۔ لیکن پھر بندگی کی حدود آڑے آجاتیں......

ماں باپ اپنے لختِ جگر کو ڈاکٹر بنانا چاہتے ہوں گے۔ ان کا اپنا دل بھی آمادہ ہوگیا ہوگا، تبھی تو ایم بی بی ایس کا امتحان پاس کیا۔ کچھ عرصہ پریکٹس کی، لیکن پھر وہ رنگینی جو ان کے خون میں سرایت کیے ہوئے تھی، ایک اور ہی دنیا میں لے گئی...... ڈاکٹری چھوڑ کر مقابلے کے امتحان میں بیٹھتے اور افسری کے شوق میں مبتلا ہوتے تو بہت سے دیکھے گئے ہیں، آج بھی کئی بڑے سرکاری عہدوں پر ایسے ڈاکٹر صاحبان فائز ہیں جن کو نسخہ ہائے شفا لکھنے میں مزا نہیں آیا لیکن ڈاکٹری چھوڑ کر "مولوی" بنتے ڈاکٹر اسرار ہی کو دیکھا گیا...... ڈاکٹر ذاکر نائیک بھی اس کوچے کے شہسوار ہیں لیکن انہوں نے اس میں قدم ڈاکٹر صاحب کے بعد رکھا...... اپنی مولویت کو "سکہ بند" بنانے کے لیے انہوں نے ایم اے اسلامیات کا امتحان پاس کیا۔ شاید اس لیے کہ مولوی حضرات "عطائیت" کا طعنہ نہ دے سکیں کہ کئی مذہبی حلقوں کو تو مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا "مولانا پن" بھی بڑی مشکل سے ہضم ہوا تھا...... ڈاکٹر صاحب نے ایم اے اسلامیات کی ڈگری جیب میں ڈال تو لی لیکن اس کو اپنے نام کا لاحقہ نہ بننے دیا۔ مولانا کہلائے نہ مولوی، ڈاکٹر کہلائے اور اسی پر مطمئن رہے۔ لیکن کام مولوی کا کیا، مولوی کا سا کیا کہیے تو زیادہ مناسب ہوگا۔ یہ کہہ لیجیے وہ کام کر کے دکھایا، مولوی صاحبان جس کو بھلائے بیٹھے ہیں۔

لڑکپن ہی سے مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے نظریات سے متاثر ہوچکے تھے۔ اقامت دین کی تڑپ وہیں سے پالی، اسلامی جمعیت طلبہ میں شامل ہوئے، اس کے ناظم اعلیٰ بنے۔ طالب علمی کا زمانہ ختم ہوا تو جماعت اسلامی میں آبراجے۔ جماعت اسلامی ایک سیاسی جماعت کے قالب میں ڈھلتی جارہی تھی، اس میں یہ خیال راسخ ہوتا جارہا تھا کہ مسلم لیگ کے بعد لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں گے۔ اسلامی حکومت کا جو خواب دکھا کر مسلم لیگ نے مسلمانانِ برصغیر کو پاکستان کا دیوانہ بنایا، وہ تو اس سے پورا ہونے کا نہیں۔ "نام کے مسلمان" کچھ نہیں کر پائیں گے تو "کام کے مسلمانوں" کی تلاش ہوگی اور یوں جماعت اسلامی مسلم لیگ کو ایک طرف دھکیل کر مرکزِ نگاہ بن جائے گی۔ بڑے چاؤ اور تدبیر کے ساتھ 51ء کے صوبائی انتخابات میں گھوڑے دوڑائے گئے لیکن نتیجہ نکلا تو تیار کردہ یا تلاش کردہ امیدواروں میں سے صرف ایک پنجاب اسمبلی میں پہنچے بعض کارکنوں کے بارے میں یہ شکایات بھی پیدا ہوئیں کہ انتخابی عمل کے دوران وہ اپنا معیار برقرار نہیں رکھ پائے، "روم میں وہ کچھ کر گزرے جو روم والے کر رہے تھے"...... بے اطمینانی کی ایک لہر سی اُٹھی اور جماعت کے بڑے بڑوں کو متاثر کر گئی۔ وہ انتخابات کو اپنی دعوت کے حق میں زہر قاتل سمجھ بیٹھے۔ معاملہ مختلف مراحل سے گزرتا بالآخر کئی ایک کی علیحدگی پر منتج ہوا۔ یہ "علیحدگی پسند" تعداد میں تو کم تھے لیکن ان کا مقام و مرتبہ کم نہیں تھا۔ مولانا امین احسن اصلاحی ان کے سرخیل تھے۔ علیحدہ ہونے والے بہت کچھ غور و فکر کرتے اور منصوبے بناتے رہے لیکن پھر یہی ہوا کہ مل کر کچھ کرنے کی بجائے سب اپنے اپنے کام میں لگ گئے۔ مولانا امین احسن اصلاحی کو "تدبر قرآن" نے جذب کرلیا تو حکیم عبدالرحیم اشرف اپنے حلقہ اثر و رسوخ میں مگن ہوگئے۔ سلطان احمد، مولانا عبدالغفار حسن، سعید ملک ارشاد حقانی، مصطفیٰ صادق حسبِ توفیق بکھر گئے ...... اس دل کے ٹکڑے ہزار ہوئے، کوئی یہاں گرا کوئی وہاں گرا۔

ڈاکٹر اسرار احمد اکیلے تھے جنہوں نے جماعت بنا کر دکھائی، امیر بن کر دکھایا۔ ان کی شانِ امارت مولانا مودودی سے کچھ کم کیا ہوتی، کئی ہاتھ زیادہ رہی۔ باقاعدہ بیعت لے کر لوگوں کو جماعت میں شامل کرتے اور ان پر اپنی اطاعت لازم قرار دے دیتے۔ کوئی ان کی امارت پر آمریت کی پھبتی کستا تو برا نہ مانتے۔ ان کے نزدیک کڑے نظم کے بغیر اسلامی تحریک نشوونما نہ پاسکتی تھی۔ انجمن خدام القرآن بنائی، قرآن اکیڈمی کی بنیاد رکھی، تنظیم اسلامی کی عمارت کھڑی کی، تحریک خلافت کا نعرہ لگایا، قرآن کالج بنایا...... اس تنوع میں بھی ایک یکسانیت رہی کہ لباس بدلنے سے لباس بدلنے والا تبدیل تو نہیں ہوجاتا۔ وہ اقامت دین کے قائل تھے۔ اسلام کو ایک نظام کے طور پر پیش کرتے تھے۔ یہاں تک مولانا مودودیؒ ہی سے جڑے ہوئے تھے۔ اس نظام کو برپا کرنے کا طریقہ ان کا اپنا تھا اور ان کے نزدیک یہی پیغمبرانہ تھا۔ غلبۂ دین انتخاب کے ذریعے نہیں، انقلاب بلکہ عوامی انقلاب کے ذریعے۔ جب تک نظام تبدیل نہ ہوجائے، اس وقت تک وہ ملک میں جمہوریت کے قائل تھے۔ ان کی اپنی جماعت میں البتہ ان کا تصور سیاست پوری شد و مد سے نافذ تھا۔ اپنی زندگی ہی میں اپنے بیٹے

عاکف سعید کو اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ صحت خراب ہوئی تو تخت (یا تختے) پر بھی بٹھا دیا۔

ڈاکٹر صاحب نے قرآن کا درس دینے کا سلسلہ نئے آہنگ سے شروع کیا، ان کے چراغ سے کئی چراغ روشن ہوئے۔ درس قرآن ان کا تخصص بن گیا...... ان کی طرح درس قرآن کے لیے زندگی وقف کر دینے والا پاکستان میں تو کیا، عالم اسلام میں بھی شاید تلاش نہ کیا جا سکے۔ ان کے فکر و فلسفے سے اختلاف کیا جا سکتا ہے اور بہت سوں نے کیا، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اپنی دھن کے پکے اور جذبے کے اکل کھرے تھے۔ ان کے ہاں شدت بہت تھی، بعض اوقات چھوٹی چھوٹی باتوں میں الجھ جاتے اور اپنی توانائی کی ''فضول خرچی'' کر گزرتے، بلکہ کرتے چلے جانے پر تل جاتے۔ کرکٹ کے خلاف محاذ بنا گزرے، بھولی ہوئی سنتوں کو یاد کرنے کے نام پر بھنور میں پھنس گئے۔ خود کو مبلغ کہتے اور مبلغ ہی سمجھتے تھے لیکن بعض اوقات داعی کی ترجیحات اوجھل کر بیٹھتے...... جنرل ضیاء الحق سے توقعات وابستہ کیں تو ان کی شوریٰ میں جا بیٹھے، جلد ہی گھبرا کر باہر نکل آئے اور جارحانہ تنقید سے گریز نہ رہا...... عمران خان نے جمائما سے شادی کی تو گفتار کا اسلوب بے قابو ہو گیا۔ داعیانہ لہجے کی حفاظت نہ ہو پائی۔

عملی سیاست میں حصہ نہ لیا لیکن سیاست ان کا پسندیدہ موضوع رہی۔ باغ جناح لاہور کی مسجد دارالسلام میں ان کا خطبہ حالات حاضرہ کے بے باک جائزے کی وجہ سے مقبول ہوتا گیا۔ ایک زمانے میں لوگ دور دور سے سننے آتے اور ان کے لہجے میں اسلاف کی جھلک پا کر جھوم جاتے۔ آواز پاٹ دار تھی، ڈیل ڈول پہلوانوں کی طرح نہیں تو ان سے کم بھی نہیں تھا۔ جاذب نظر خدوخال کو گہرے سانولے رنگ نے نکھار سا دیا تھا۔ موٹی موٹی آنکھیں ہر دم بولتی نظر آتی تھیں۔ وہ جہاں ہوتے، چھا جاتے۔ ان کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں تھا۔ لفظوں کی ادائیگی کا چہرے کے تاثرات (جیسچرز) اس طرح ساتھ دیتے کہ سننے والے مٹھی سے نکل نہ پاتے۔

کراچی گئے ہوئے تھے کہ کمر کی تکلیف ہوئی، جہاز میں لیٹ کر واپس آئے، ہفتوں بستر سے پیٹھ جدا نہ ہو پائی۔ میں مزاج پرسی کے لیے گیا تو بتانے لگے کہ جہاز میں رشید عمر تھانوی صاحب سے ملاقات ہوئی تھی...... رشید عمر ایک ایڈورٹائزنگ ایجنسی چلاتے تھے اور اردو کے مایہ ناز مزاح نگار شوکت تھانوی مرحوم کے صاحبزادے تھے، برسوں پہلے یہ دنیا چھوڑ گئے...... وہ میرے پاس آ بیٹھے اور کہا کہ میں ٹیلی ویژن پر آپ کا پروگرام ''الہدیٰ'' بڑے شوق سے دیکھتا تھا (جنرل ضیاء الحق کے عہد میں ان کا یہ پروگرام شروع ہوا تو ڈاکٹر صاحب گھر گھر پہنچ گئے)۔ کچھ دیر توقف کے بعد بولے: میں ڈرامے کا آدمی ہوں، الفاظ کی ادائیگی کے ساتھ آپ کے ''جیسچرز'' مل کر قیامت ڈھا دیتے ہیں، میں تو بس ان کی داد دیتا رہتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب نے ہنستے ہوئے یہ واقعہ سنایا۔ میں رخصت ہونے لگا تو بولے یہ آف دی ریکارڈ نہیں ہے، آپ چاہیں تو استعمال کر سکتے ہیں...... اس سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ موصوف بالکل ہی ''زاہد خشک'' نہیں تھے۔ اچھے فقرے کا لطف اُٹھا سکتے اور اس کی داد دے سکتے تھے۔

پانچ چھ سال پہلے تک میں قرآن اکیڈمی کے قریب ہی رہتا تھا۔ انیس بیس برس اس کے قرب میں گزارے اور نماز کے لیے وہاں جانے کا اتفاق ہوتا رہا...... ڈاکٹر صاحب سے قریبی رابطہ استوار ہوا، ان کے بیٹوں ڈاکٹر عارف اور حافظ عاکف سے ملاقاتیں رہیں، کھٹے میٹھے فقروں کا تبادلہ ہوتا رہا۔ اتفاق پر اختلاف اور اختلاف پر اتفاق کا رنگ چڑھتا اترتا رہا لیکن منہ کا ذائقہ کڑوا نہیں ہوا۔

ڈاکٹر صاحب جیسے نظر آتے تھے، ویسے ہی تھے۔ ان کی دہقانیت بھی خالص تھی اور شدت بھی کہیں سے مانگی ہوئی نہیں تھی۔ ان کے اخراجات کم تھے کہ ضرورتیں کم تھیں، خواہشیں کم تھیں، دسترخوان سادہ، لباس سادہ، مزاج سادہ...... زیادہ سے زیادہ گریڈ سترہ یا اٹھارہ کے سرکاری اہل کار کے معیار پر گزر بسر کرتے ہوں گے کہ امیر اور کارکن کے درمیان زیادہ فاصلہ من کو بھاتا نہیں تھا۔ اسی ایک بات نے انہیں ممتاز اور محبوب تر کر دیا تھا...... سماجی رسوم کے خلاف بھی ڈٹ کر کھڑے رہے اور دولت کو اس بات کی اجازت نہیں دی کہ انہیں مرعوب کر سکے...... ان کے ایک ہاتھ میں قرآن رہا تو دوسرے ہاتھ میں اقبال کہ اقبال بھی قرآن کا دیوانہ تھا...... قرآن ہی نے ان کا اقبال بھی بلند کر دیا۔

(بشکریہ روزنامہ ''پاکستان'')

النصر لیب

ایک ہی چھت کے نیچے معیاری ٹیسٹ، ڈیجیٹل ایکسرے، ای سی جی اور الٹرا ساؤنڈ کی جدید اقسام کلر ڈاپلر، 4-D، T.V.S، ایکو کارڈیوگرافی، Lungs Function Tests اور X-Ray (Dental) OPG کی سہولیات

خصوصی پیشکش

(Elisa Method)

صرف -/3000 روپے میں

تنظیم اسلامی کے رفقاء اور ندائے خلافت کے قارئین اپنا ڈسکاؤنٹ کارڈ لیبارٹری سے حاصل کریں۔ ڈسکاؤنٹ کارڈ کا اطلاق خصوصی پیکج پر نہیں ہوگا۔

لیب اتوار اور عام تعطیلات پر کھلی رہتی ہے

B-950 فیصل ٹاؤن، مولانا شوکت علی روڈ نزد راوی ریسٹورنٹ لاہور

Ph: 3 516 39 24, 3 517 00 77 Fax: 3 516 21 85

Mob: 0300-8400944, 0301-8413933 E-mail: info@alnasarlab.com

رمضان المبارک کے دوران تنظیم اسلامی حلقہ کراچی جنوبی کی سرگرمیاں

رپورٹ: محمد یوسف صدیقی

رمضان وہ بابرکت مہینہ جسے رب العزت نے حد درجہ فضیلت اور عظمت عطا فرمائی۔ یہی وجہ ہے کہ کرۂ ارضی کے تمام مسلمان اس کا شدت سے انتظار کرتے ہیں۔ یہ بخشش، مغفرت اور جہنم سے نجات کا مہینہ ہے۔ اس ماہ مبارک میں اللہ کی رحمتیں تواتر اور تسلسل سے نازل ہوتی ہیں۔ اس مہینے کا خصوصی تعلق قرآنِ مجید سے ہے کہ اسی مہینے کی ایک رات اس کلام عظیم کو نازل کرنے کی خبر اللہ نے دی اور اس نسبت سے وہ رات لیلۃ القدر کہلائی۔ ایسی قدر والی رات کہ اس کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ٹھہری۔

رمضان اور قرآن اپنے تعلق کے اعتبار سے آپس میں لازم وملزوم ہیں۔ لہٰذا تنظیم اسلامی اور انجمن خدام القرآن کی جانب سے خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے کہ اس ماہ خصوصی اہتمام کے ساتھ قرآنی تعلیمات کو ہر خاص وعام تک پہنچانے کی کوشش کی جائے، تاکہ افراد معاشرہ ان تعلیمات کی روشنی میں اپنے کردار کی اصلاح کرسکیں اور اپنا مقصدِ حیات جان کر اپنی ترجیحات متعین کرسکیں۔ اس سلسلے میں امسال بھی تنظیم کے دیگر حلقہ جات کی طرح حلقہ کراچی جنوبی میں کئی مقامات پر قرآنی اور نورانی محافل کا انعقاد کیا گیا، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

☆ مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی ڈیفنس میں اس سال اکیڈمک ڈائریکٹر جناب سید نعمان اختر نے ترجمہ قرآن کی سعادت حاصل کی اور احکامات قرآنی کی روشنی میں مطالباتِ دین سامعین کے سامنے رکھے اور ان کی تکمیل کی صورت میں انعاماتِ ربانی کی نوید سے بھی آگاہ کیا۔ ان محافل میں پچھلے دو عشروں کے دوران شرکاء کی تعداد تقریباً 300 اور آخری عشرے میں 700 سے متجاوز رہی۔ اس مسجد میں اعتکاف کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے، جس میں تقریباً 270 افراد اعتکاف کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ اس سال بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ آخری عشرے کے دوران مختلف ایام میں جناب اعجاز لطیف (صدر انجمن خدام القرآن سندھ)، جناب شجاع الدین شیخ، ڈاکٹر محمد الیاس اور جناب نعمان اختر نے بعد نمازِ ظہر اہم دینی موضوعات پر لیکچرز دیے اور امیر حلقہ حافظ نوید احمد نے حاضرین کے سوالوں کے جوابات دے کر دینی معاملات میں ان کی الجھنوں کو سلجھانے کی سعی کی۔

اس مقام پر اپنی دینی ذمہ داریوں سے آگاہ ہونے کے بعد 79 افراد نے تنظیم اسلامی میں شمولیت اختیار کی۔ اللہ ان سب کو استقامت عطا فرمائے۔

☆ گلستانِ انیس کلب میں وہاں کی انتظامیہ کے پرخلوص تعاون سے ہر سال ترجمۂ قرآن کی محافل کا انعقاد ہوتا ہے۔ اس سال وہاں تنظیم کے سینئر مدرس اور انجمن خدام القرآن سندھ کراچی کے صدر اعجاز لطیف نے ترجمہ قرآن بیان کرنے کی سعادت حاصل کی اور کلام ربانی کو کھول کھول کر عوام وخواص کے سامنے بیان کرنے کی سنت پر عمل کیا۔ محترم مدرس نے قرآن کے مختلف مقامات کی روشنی میں سامعین پر واضح کیا کہ ہمیں دین کے تمام احکامات پر بلاچوں وچرا عمل کرنے اور مکمل طور پر اسلام میں داخل ہوجانے یعنی ہر لحاظ سے اللہ کے فرمانبردار بن جانے کا حکم ہے۔ انہوں نے واضح کیا کہ ہم اللہ کے تمام احکامات پر اس وقت تک عمل کر نہیں سکتے جب تک کہ دین کو ایک نظام کے طور پر زندگی کی ہر سطح پر غالب نہ کردیں۔

ان محافل میں شرکاء کی تعداد اوسطاً 350 رہی۔ آخری عشرے میں اور طاق راتوں میں اس تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوا اور یہ بڑھ کر 600 سے تجاوز کرگئی۔ اس مقام پر کئی شرکاء نے تنظیم اسلامی میں شمولیت اختیار کی۔

☆ شاہ فیصل رلیبر کے علاقے میں دو مقامات پر دورۂ ترجمہ قرآن اور دو مقامات پر خلاصۂ مضامینِ قرآن کی محافل منعقد ہوئیں۔ لٹل ماسٹر اسکول گرین ٹاؤن میں منعقدہ پروگرام میں مدرس کی ذمہ داری امیر حلقہ جناب نوید احمد کی تھی۔ محترم مدرس اپنی علمی استعداد، قابلیت اور تجربے کے حوالے سے تنظیمی سطح پر کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ تنظیم اسلامی کراچی کی سطح پر ان کی حیثیت استاذ الاساتذہ اور بابائے تلامذہ کی سی ہے، ماشاء اللہ۔ ان محافل میں حضرات و خواتین کی اوسط تعداد 200 کے قریب رہی۔ لٹل ماسٹر اسکول کے مالکان کے بےلوث تعاون اور مقامی رفقاء کی انتھک محنت نے اس پروگرام کی کامیابی میں کلیدی کردار ادا کیا — برائٹ وے اکیڈمی ماڈل کالونی ملیر میں پورے رمضان میں جاری رہنے والی محافل قرآنی میں مدرسین کے فرائض مقامی رفقاء حافظ وقار احمد اور حافظ نوید شکیل نے مشترکہ طور پر انجام دیے۔ یہ ان دونوں مدرسین کا ترجمہ قرآن کا پہلا تجربہ تھا۔ انہوں نے تائید الٰہی کے ساتھ نہایت جانفشانی اور استقامت کے ساتھ اس ذمہ داری کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ اس مقام پر سامعین کی تعداد 150 سے زائد رہی۔ پروگرام کے انعقاد میں ہمیں برائٹ وے اکیڈمی کے منتظمین کا خصوصی تعاون رہا۔ اللہ انہیں جزائے خیر دے۔

انجمن سیفی برادران کے دفتر میں تراویح کے ساتھ خلاصۂ مضامین قرآن کا بیان مقامی رفیق محمد حسین نے کیا۔ مذکورہ انجمن کے روحِ رواں حاجی محمد الیاس کے بھرپور تعاون سے اس پروگرام کا انعقاد ممکن ہوا۔ اللہ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ اس مقام پر شرکاء کی تعداد تقریباً 15 تھی۔ تراویح میں قرآن سنانے کی سعادت حاجی محمد الیاس کے پوتے ریاض احمد کے حصے میں آئی — عائشہ مسجد میں خلاصۂ مضامینِ قرآن بیان کرنے کی ذمہ داری مقامی رفیق فرحان اقبال نے سنبھالی تھی اور اس ذمہ داری کو انہوں نے احسن طریقے سے ادا بھی کیا۔ یہاں پر سامعین کی تعداد 10 کے لگ بھگ رہی۔

☆ قرآن مرکز لانڈھی میں بھی دورۂ ترجمہ قرآن کی محافل پورا رمضان جاری رہیں۔ اس مقام پر ترجمۂ قرآن بیان کرنے کی سعادت ڈاکٹر سید سعد اللہ کو حاصل ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب اپنے سادہ اور عام فہم اندازِ گفتگو کی وجہ سے سامعین کو متاثر کرتے ہیں۔ اس مرتبہ بھی انہوں نے اپنے بیان کا جادو جگایا۔ تقریباً 150 خواتین وحضرات کو پورے ماہ اس پروگرام سے جوڑے رکھا۔ پورے دین پر عمل کے مطالبے اور تنظیم اسلامی کی دعوت کے سامنے رکھنے پر 8 خواتین وحضرات بیعت فارم پُر کرکے تنظیم میں شامل ہوئے۔

☆ قرآن مرکز کورنگی شرقی میں اس سال مدرس سید راشد حسین شاہ تھے۔ اس مقام پر یہ پروگرام صرف مرد حضرات کے لیے تھا۔ یہاں شرکاء کی اوسط تعداد 70 رہی۔ طاق راتوں میں یہ تعداد بڑھ کر دوچند ہوجاتی تھی۔ سید راشد حسین شاہ کے دھیمے مگر متاثر کن انداز نے سامعین کو اپنا گرویدہ بنائے رکھا۔ خصوصاً وقت کی پابندی کی مناسبت سے معزز مدرس کی اپنے موضوع اور بیان پر گرفت قابلِ تعریف تھی۔ اس مقام پر دن کے اوقات (11 بجے سے 2 بجے) میں

خواتین کے لیے بھی یہ پروگرام ترتیب دیا گیا تھا۔ اس پروگرام میں پیغامِ قرآنی کو خواتین تک پہنچانے اور اپنے دائرۂ اختیار میں کرنے کے کام کو سمجھانے کی سعادت محترمہ اہلیہ نوید احمد اور محترمہ اہلیہ سلیم احمد نے حاصل کی۔

☆ تنظیم اسلامی کورنگی غربی کے زیرِ اہتمام مین روڈ کورنگی پر واقع پرنس گارڈن میں منعقدہ محافلِ قرآنی میں مدرس کی حیثیت سے مفتی طاہر عبداللہ صدیقی کو چنا گیا تھا۔ مفتی طاہر عبداللہ صاحب اپنی علمی استعداد اور لب و لہجے کی بنا پر مدرسین میں ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔ اس مقام پر یہ پہلا پروگرام تھا جو مقامی رفقاء کی کاوشوں سے نہایت کامیاب رہا۔ آخری دنوں میں طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے مفتی صاحب کی بجائے ڈاکٹر محمد الیاس نے اس مقام پر مدرس کی ذمہ داری نباہی۔ ڈاکٹر محمد الیاس کا دورۂ ترجمۂ قرآن کا پہلا موقع تھا، جس میں انہوں نے اپنی اہلیت اور صلاحیت کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ اس مقام پر خواتین و حضرات کی تعداد 100 کے لگ بھگ رہی اور کئی احباب نے تنظیم کی رفاقت اختیار کی۔

☆ تنظیم اسلامی بنوری ٹاؤن کی جانب سے دورۂ ترجمۂ قرآن کی محافل کا انعقاد تھری اسٹار لان میں کیا گیا تھا۔ اس مقام پر مدرس کی ذمہ داری فہد یونس کو سونپی گئی تھی۔ وہ یہ ذمہ داری پہلی مرتبہ ادا کر رہے تھے۔ فہد یونس صاحب بہت دلنشیں انداز میں بات سامعین کے سامنے واضح کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس مقام پر حاضرین کی اوسط تعداد 80 سے 100 کے درمیان رہی۔

☆ تنظیم اسلامی ڈیفنس کی جانب سے اس مرتبہ تین مقامات پر قرآنی محافل منعقد ہوئیں۔ ایک جگہ مکمل دورۂ ترجمۂ قرآن اور دو مقامات پر خلاصۂ مضامینِ قرآن کا اہتمام کیا گیا تھا۔ قرآن مرکز ڈیفنس میں مکمل دورۂ ترجمۂ قرآن پروگرام کے مدرس حافظ عمیر انور تھے۔ حافظ صاحب نوجوان مدرس ہیں اور پچھلے دو سالوں سے اورنگی ٹاؤن میں دورۂ ترجمۂ قرآن کراتے رہے ہیں۔ انہوں نے بہت عام فہم انداز میں اپنی ذمہ داری سرانجام دی۔ اس مقام پر حاضرین کی تعداد 80 کے قریب رہی۔ اختر کالونی میں ڈیفنس تنظیم کی جانب سے تراویح کے ساتھ یعنی مکمل دورہ کی ترتیب سے خلاصۂ مضامینِ قرآن کا پروگرام ہوا۔ لانڈھی تنظیم کے ابھرتے ہوئے مدرس محمد ہاشم کو مضامینِ قرآن بیان کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ خواتین و حضرات سامعین کی تعداد 80 سے 100 کے درمیان رہی۔ لائرز کلب اولڈ کلفٹن میں ڈیفنس تنظیم کا تیسرا پروگرام منعقد ہوا۔ یہاں بھی خلاصۂ مضامینِ قرآن بیان کیا گیا۔ فیصل منظور اپنے بیان میں روانی کے ساتھ موضوع کی اہمیت دلوں میں اتار دینے کا فن جانتے ہیں۔ وہ یہاں پیغامِ الٰہی سے قلوب کو منور کرتے اور نفوس کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس دلاتے رہے۔

تمام مقامات پر حاضرین کی سہولت کے لیے سٹال بھی لگائے گئے تھے۔ ان سٹالوں پر تنظیمی کتابوں کے علاوہ مخصوص غیر تنظیمی کتب بھی فروخت کے لیے رکھی گئی تھیں۔ تنظیمی کتابیں خصوصی رعایت کے ساتھ 50% پر اور دیگر کتب بھی بہت کم قیمت پر فروخت کی گئیں۔ اس سہولت سے رفقاء و احباب کی کثیر تعداد نے استفادہ کیا۔

مذکورہ بالا تمام مقامات پر محافل کے دوران شرکاء کی تواضع کا بھی حسبِ روایت انتظام کیا گیا تھا۔ مدرسین کے خلوص، رفقاء کی محنت و جانفشانی اور اصحابِ خیر کے بے لوث تعاون سے یہ تمام پروگرام ماہِ رمضان کے ساتھ ہی مکمل ہوئے۔ رب العزت دعوتی امور میں کسی بھی لحاظ سے تعاون کرنے اور ان محافل کو کامیاب بنانے میں اپنا کردار ادا کرنے والوں کی محنتوں کو قبول فرمائے، انہیں اس کا بہترین اجر عطا فرمائے اور اس دوران دانستہ یا نادانستہ ہو جانے والی کوتاہیوں سے درگزر فرمائے۔ جن لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچ چکا انہیں اپنی زندگی کی ہر سطح پر اسے نافذ کرنے اور پھر اپنے اس عمل پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

ضرورت رشتہ

☆ لاہور میں رہائش پذیر فیملی کو اپنے بیرون ملک ملازم بیٹے، عمر 29 سال، سنیفکل انجینئر، خوبصورت، خوب سیرت، دراز قد کے لیے دیندار، پردہ کی پابند ایم بی بی ایس ڈاکٹر لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔ ذات پات کی قید نہیں۔
برائے رابطہ: 0301-4462631، 0331-4482264

☆ لاہور میں رہائش پذیر فیملی کو اپنے برسر روزگار دراز قد بیٹے، تعلیم ایم ایس سی (کمپیوٹر سائنس) کے لئے دینی مزاج کے حامل گھرانے سے رشتہ درکار ہے۔ ذات پات کی کوئی قید نہیں۔ برائے رابطہ: 03229378156

☆ لاہور میں رہائش پذیر اہل حدیث فیملی کو اپنے بیٹے، عمر 30 سال، تعلیم ایف اے، اور دو سالہ عربی، کورس قد "2-'6 کے لیے دینی مزاج کی حامل خوش اخلاق لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ: 0303-4007713

☆ لاہور میں رہائش پذیر جٹ رانجھا (اہل سنت) فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 26 سال، تعلیم ایم اے فلسفہ، کے لیے دینی مزاج کے حامل، حلال کمائی کرنے والے نوجوان کا رشتہ درکار ہے۔ ذات پات کی قید نہیں۔
برائے رابطہ: 36634223(042)، 0321-4963252

☆ لاہور میں رہائش پذیر کمبوہ فیملی کو اپنی دو بیٹیوں، عمر بالترتیب 24 سال، 23 سال، تعلیم ایم ایس سی سائیکالوجی ستر و حجاب کی پابند کے لیے دینی مزاج کے حامل برسر روزگار نوجوانوں کے رشتے درکار ہیں۔
برائے رابطہ: 37582327(042)، 03004412814

☆ لاہور میں رہائش پذیر فیملی کو اپنی بچی تعلیم ایم ایس سی (کیمسٹری) کے لئے تعلیم یافتہ، دینی مزاج کے حامل نوجوان کا مناسب رشتہ درکار ہے۔ ذات پات کی کوئی قید نہیں۔ برائے رابطہ: 03229378156

دعائے مغفرت کی اپیل

- تنظیم اسلامی کے مرکزی ناظم نشر و اشاعت اور ندائے خلافت کے اداریہ نگار جناب ایوب بیگ مرزا کے چچازاد بھائی اور بہنوئی مرزا پرویز صالح انتقال کر گئے
- تنظیم اسلامی حلقہ کراچی شمالی (گلستان جوہر 2) کے رفیق شعیب اسلم سیال کی دادی وفات پا گئیں

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔
قارئین و رفقاء سے بھی دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔
اللّٰھم اغفرلھما وارحمھما وادخلھما فی رحمتك وحاسبھما حساباً یسیراً

ضرورت برائے کمپیوٹر آپریٹر

مرکز تنظیم اسلامی میں ایک کمپیوٹر آپریٹر کی ضرورت ہے
جو اِن پیج اور ایکسل پروگراموں میں مہارت رکھتا ہو۔
رفیق تنظیم کو ترجیح دی جائے گی۔
برائے رابطہ:
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی A-67 علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور
فون: 042-36366638-36316638

fated adventure will not yield anything but death and destruction. When the UN special representative's quarterly report to the Security Council, released on September 21, 2010, indicates that violence is 69 per cent higher for the three months ending September 14, 2010 than it was for the same period last year, nothing is learnt from these facts.

Why, one may ask, American leadership is blind to the historic realities of its Afghan misadventure? Why does it not see what is written on the wall? What is behind this blind spot? Why these wise men and women cannot see the suffering they are causing to millions of human beings?

Of course, there is no substance left in the Bushy argument that boys are securing America; there is clear, unambiguous proof that there is no one in the caves of Afghanistan who has the ability to strike America; technically it is beyond them, operationally it is impossible, and logistically it is an absurd thought that Taliban or whatever is left of al-Qaeda have the ability to attack America. What, then, is the rationale for America's continuous presence in a country where rebuilding is impossible? Where, after nine years and billions of dollars, American troops are unable to secure even Kabul?

One cannot think of any reason other than Pakistan and Iran to be the cause of prolonged American presence in Afghanistan. Pakistan is being dismembered chip by chip; in fact, it will not be wrong to say that Pakistan is now like a volcano already simmering. It will take very little for the lava to gush out, taking with its volcanic fury the entire country: from the ethnic violence to sectarian feuds and from the economic meltdown to random violence, all scenarios for the last and final fury are looming on the horizon. Rampant corruption, political stagnation, a dysfunctional parliament and non-consequential senate define contemporary Pakistan. The government is sitting idle; even the flood waters did not wake it up. Karachi, the financial capital of the country witnesses 10-20 target killings per day and the government and all its agencies are unable to control this violence. Balochistan is seething; Sindh can become a hotbed of intrigues any time and the northern areas are full of game --- the old colonial game now intensified manifold with American money and weapons and the latest chip technology guiding drones.

So, if the American game is to dismember Pakistan and somehow seize its atomic weapons, then it makes sense to spend billions of dollars and risk the lives of a few hundred Americans for the sake of fulfilling a long-time Israeli wish of getting rid of this so-called Islamic bomb which was never, and will never be an Islamic bomb. But if this is not the game plan, then Mr. Obama needs to take a cold shower and wake up to the reality of an un-winnable war in Afghanistan.

(*Courtesy: daily "The News"*)

بقیہ: انقلاب دستک دے رہا ہے!

ہے لیکن لال مسجد میں میرے بھائیوں اور بہنوں پر جب فاسفورس بم پھینکے جاتے ہیں تو ہماری خوشی سنبھالی نہیں جاتی کہ شریعت کا مطالبہ کرنے والے ''دہشت گردوں'' کے ساتھ ایسا ہی سلوک ہونا چاہیے۔ میں ڈر جاتا ہوں۔

میں ڈر کر آنکھیں بند کر لیتا ہوں کہ آنکھیں کھولنے پر بھی اندھیرا ہی نظر آتا ہے۔ اس مایوسی میں مجھے لگتا ہے جیسے میرے کانوں میں کوئی سرگوشی کرتا ہے۔ مجھے سرور کونین ﷺ کی احادیث سناتا ہے اور ان کی روشنی میں بشارتیں دیتا ہے۔ ''فطوبیٰ للغرباء'' کی آوازیں گونجنے لگتی ہیں۔ مجھے ڈاکٹر اسرار احمد، حافظ عاکف سعید اور ملا محمد عمر مجاہد کے چہرے نظر آتے ہیں۔ میرا دل سکینت اور اطمینان سے بھر جاتا ہے۔ میں چیخ چیخ کر کہنا چاہتا ہوں، ظالمو، غاصبو، آؤ اور روکو۔ کس کس کو روکو گے؟ کس کس کو مارو گے؟ تم ایک کو مارو گے یہاں ہزاروں شریعت کے متوالے پیدا ہوں گے۔ اللہ میرے نبی ﷺ کے الفاظ کو ضرور پورا کرے گا۔ یہ خطہ ارضی خلافت اسلامیہ کا پہلا دروازہ بنے گا۔ نہ جانے اس سفر میں کون کون شہید ہوگا اور کون غازی بن کر اس مبارک دور کو اپنی آنکھوں سے دیکھے گا۔ یہ انقلاب اب پاکستان کے دروازوں پر دستک دے رہا ہے۔ اللہ ہمیں بھی ان لوگوں میں شامل فرمائے جن کے خون کو اللہ نے اس خلافت کی بنیاد سینچنے کے لیے چن لیا ہے۔ (آمین)

اللّٰهم وفقنا ان نقيم نظام الخلافة على منهاج النبوة فی پاکستان اولاً و فی کل العالم آخر اللّٰهم وفقنا شهادة فی سبیلك۔ آمین!

Vol:19 Regd. C.P.L NO. 114 No.39

Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

Dr. Muzaffar Iqbal

THE UNENDING AFGHAN SAGA

In the never-ending, ever-renewed, sensation-hungry American saga of the 21st century, now a new book about Obama's presidency is supposed to rock America all the way from Washington DC to its outermost territory: Kabul. *Obama's Wars*, by the veteran investigative journalist Bob Woodward, is being released with strategic timing so that it has its impact on the November mid-term elections in which Democrats are already struggling to keep their control of the House of Representatives. Those who control the media, and hence public opinion, surely know what they are doing.

Yet, the book will be just one more tiny little rock thrown in the pond of American obsession with new things and new sensations and it will not be long before it will be forgotten and a new rock will be needed to keep the vibrations on the move. For whatever it is worth, the book does show some grey areas from inside the power corridors of America, which need to be seen by those interested in the future of America's Afghan adventure, which is going to have its impact on Pakistan as well as on Iran, no matter which way this proverbial camel finally sits.

There are tensions, we are told by Woodward, in the inner circles; American generals are keen to get a free hand in Afghanistan for an unspecified time; the administration, on the other hand, wants a timeline for troop withdrawal. "This needs to be a plan about how we're going to hand it off and get out of Afghanistan," Obama is reported to have said. "Everything we're doing has to be focused on how we're going to get to the point where we can reduce our footprint. It's in our national-security interest. There cannot be any wiggle room." He is also quoted as telling the defense secretary Robert Gates, and the secretary of state Hillary Clinton, in late October last year: "I'm not doing 10 years ... I'm not doing long-term nation-building. I am not spending a trillion dollars."

There is nothing new in this; most observers already know this, but there may be something revealing in Obama's remarks about Pakistan. Relying on intelligence reports for making his opinion, Obama is quoted as saying: "We need to make clear to people that the cancer is in Pakistan."

The book will change little by way of ground realities and there will still be no clear American plan, but it will certainly give pundits on TV screens something to chew. The ground realities, however, demand a far more serious attitude than the sensationalism now rampart in American media. It must be recognized that the American misadventure in Afghanistan has stark consequences for America, as well as for the Afghans and Pakistanis. Every single day in war brings more bloodshed, more violence, more death and destruction. To any outside observer, it is clear that no matter what the Americans do, this is an un-winnable war. This clear and historically proven reality somehow escapes American leadership which sees very new incident in isolation from the previous events and hence is unable to draw any genuine conclusions.

Thus when a helicopter carrying NATO troops crashes in Southern Afghanistan, as it did this past Tuesday, killing nine service members and making 2010 the deadliest year of the nine-year war, it is not taken as an indication that this ill-